سلسلۂ انجمن ترقی اردو

فلسفۂ جذبات

یعنی

نفسیات (سایکالوجی) پر اُردو زبان مین سب سے پہلی کتاب

مصنفہ

عبد الماجد، بی۔ اے

باہتمام محمد شفاعت علی علوی مینیجر مطبع

در مُسلم پرنٹنگ ہوس امین آباد لکھنؤ طبع گردید

سنہ ۱۹۱۴ء

طبع اول
ایک ہزار

قسم اول ۸؍
قسم دوم عہ

فلسفۂ جذبات

از

عبدالماجد بی۔ اے

معذرت

رسالہ ہذا کی صحت مین مصنف (ونیز صاحب مطبع) کی طرف سے سعی و اہتمام کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا گیا لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ لیتھو پریس مین ابھی غالباً سرے سے یہ قابلیت ہی نہین کہ صحت طبع کا دعویٰ پورا ہو سکے، اور بہ حالات موجودہ ہماری زبان کے سب سے بڑے ادیب کا یہ مقولہ شاید مبالغہ کی آمیزش سے پاک ہو کہ کتاب کا صحیح چھپنا ناممکنات عالم مین داخل ہی۔ پس ناظرین کو شروع ہی مین مطلع ہو جانا چاہیے، کہ اُنکی پیش نظر تصنیف مین غلطیان موجود ہین اور بہ کثرت موجود ہین۔ پھر ناظرین سے یہ توقع رکھنا بھی بیجا ہی کہ وہ مطالعہ سے قبل ساری غلطیون کو مقابلہ کر کے صحیح کر لینگے، اسلیے کسی مفصل غلطنامہ کا وجود بیکار ہی ثابت ہوگا۔ تاہم اُنکی اطلاع و سہولت کے لیے ذیل مین چند عام اور موٹی غلطیون کے بارہ مین کچھ اشارات درج کیے جاتے ہین:-

(۱) بعض الفاظ اگرچہ صحیح طبع ہوے ہین، مگر اُنکا طریق املا مصنف کے طریق املا سے بالکل مختلف ہو گیا ہے۔ مثلاً جن عربی و فارسی الفاظ کے آخر مین (الف) یا (ہاے ہوز) ہے، اُن کو حالت اضافت مین، میری روش کے خلاف، کاتب نے (یاے معروف) سے لکھا ہے۔ یا ایک جگہ "مصالح" کو "مسالہ" کر دیا ہے۔ وغیرہ

(۲) بعض الفاظ ایسے ہین جنھین کاتب صاحب نے تقریبًا ہر جگہ مسودہ کے خلاف تحریر کیا ہے مثلاً "ہی" اور "یہی" کے بجاے "بہی" اور "تجربہ" کے بجاے "تجربہ" کردینا اُنکی عام عادت ہے -

(۳) ایک ہندی اور ایک عربی یا فارسی لفظ کے درمیان جب حرف عطف لانا مقصود ہوتا ہی، تو مصنف ہمیشہ لفظ "اور" استعمال کرتا ہے لیکن کاتب صاحب نے اکثر اسکے بجاے صرف " و " لکھدینا کافی سمجھا -

(۴) مصنف کے نزدیک، انگریزی الفاظ کے لیے فارسی طریق اضافت جائز نہین لیکن اس کتاب مین بعض جگہہ اسکے خلاف مثالین ملینگی - مثلاً ایک جگہہ "تصادم ٹرین" چھپ گیا ہے حالانکہ "ٹرین کے تصادم" ہونا چاہیے -

(۵) بعض مقامات پر حرف نفی کے رہ جانے سے مفہوم بالکل الٹ گیا ہے - مثلاً صفحہ ۱۵۱ سطر ۵ مین "محسوس نہ کرتے ہون" کے بجاے "محسوس کرتے ہون" طبع ہوگیا ہے -

(۶) کہین کہین ایسے الفاظ بھی طبع ہوگئے ہین، جو اُس موقع پر بالکل مہمل ہین - مثلاً صفحہ ۱۴۴ سطر ۱۱ مین بجاے "اکائی" کے "رکابی" چھپ گیا ہے - امید ہی کہ اس طرح کی غلطیون کو ناظرین قراین وقیاس سے خود محسوس کر لینگے -

فہرست مضامین

خسروِ علم جب اول اول کسی ملک مین قدم رکھتا ہے، تو اسکا مقدمۃ الجیش جن اعضائے سے مرکب ہوتا ہے، وہ موجدین، مجتہدین، محققین فن کی جماعت نہین ہوتی، بلکہ شارحین، مفسرین، و ملخصین کا گروہ ہوتا ہے۔ یعنی اُن افراد پر مشتمل ہوتا ہے، جو غیر اقوام سے علوم و فنون کا سرمایہ لیکر، اُس مین حسبِ ضرورت تصرفات کرکے، اور اُسے اپنے ملک و قوم کی مقتضیات کے مطابق بنا کر، اپنی زبان مین منتقل کرتے ہین۔ ہماری زبان کے مصنفین کے طبقہ مین یہ گروہ اگرچہ سرے سے معدوم نہین، لیکن اسکے قوائے عمل اسقدر شل، اور اسکی رفتار اسقدر سست ہی، کہ بہ لحاظ نتایج و ثمرات، اس کا وجود اس کے عدم سے کچھ یون ہی سا ممتاز ہے۔

ایک طرف تو اصلی کارکن جماعت کی یہ غفلت و بیحسی ہے۔ دوسری طرف ہماری پبلک کے مذاق کا یہ عالم ہے، کہ کوئی کتاب تا وقتیکہ اُسمین کسی مذہبی ہیرو کے

مناقب مبالغہ و رنگ آمیزی کے ساتھ درج نہون، یا کم از کم اُس مین شعر و شاعری کا چٹخارہ نہ ہو، مقبولیت حاصل ہی نہین کر سکتی - چنانچہ آج اُردو کے جو بہتر سے بہتر مصنفین ہین، اُن سب کی مقبولیت کا راز، عموماً اُنکی مذہبی، یا خاص حالتون مین اُن کی ادبی تصانیف کے اندر پوشیدہ ہے - اس سے بالاتر یہ کہ ادھر دو تین سال سے جو جدید سیاسی ہلچل قوم مین پیدا ہو گئی ہے، اُسنے خود ان مصنفین کا رنگ بھی پھیکا کر دیا ہے - عرف عام مین اعتدال کو خوشامد اور متانت کو کمزوری کا مرادف قرار دے لینے کا نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ آج جو شخص ہفتہ وار، یا روزانہ، جسقدر زیادہ بدزبانیون کا مطبوعہ انبار پیش کر سکتا ہے، اُسی نسبت سے وہ بہت بڑا محب وطن ہونے کے ساتھ، بہت بڑا اہل قلم و مصنف بھی شمار کیا جانے لگتا ہے -
ڈاکٹر سید علی بلگرامی، شمس العلما مولوی ذکاء اللہ، یا ان کے مثل اور دو ایک جو سنجیدہ مذاق، اور متین لکھنے والے تھے، اُنکی طرف سے بے اعتنائی تو پہلے ہی سے تھی، مگر اب تو کوئی بھولے سے بھی اُنکا نام محسنین ملک و قوم مین نہین لیتا -

یہ واقعہ گو بظاہر حیرت انگیز معلوم ہوتا ہو، لیکن جو کچھ اب تک ہوا ہے، وہ درحقیقت اسکے مقابلہ مین کچھ بھی نہین ہے، جو آیندہ ہونے والا ہے - جن لوگون نے تاریخ عالم کا فلسفیانہ حیثیت سے مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہین کہ جس طرح بعض امراض کی حالت مین افراد، تقویت بخش و جزو بدن ہونے والی غذاؤن سے متنفر ہو کر محض چاشنی دار غذاؤن پر جھک پڑتے ہین، اُسی طرح

اقوام مین بھی، جب قبل از وقت سیاسی ہیجان، یا انقلاب کی خواہش پیدا ہوجاتی ہے، تو ہر سنجیدہ مضمون کی طرف سے بے التفاتی ہی نہین بلکہ قطعی نفرت پیدا ہوجاتی ہے اور ارباب علم و فکر کا وجود حیات سیاسی کے حق مین نہ صرف فضول و غیر مفید، بلکہ قطعاً مضر و مخالف خیال کیا جانے لگتا ہے۔ ہمکو مشہور و معروف انقلاب فرانس کا یہ زرین کارنامہ یاد ہے، کہ قیام جمہوریت (ری پبلک) کے بعد جب قانون و ضابطہ کی ظاہری پابندی کے پردہ مین، قانون شکنی، بے آئینی، و اخلاق کشی کی ادنی سے ادنی صورتین برتی جانے لگین، اور انسانی خون، پانی کی طرح بیدریغ بہایا جانے لگا، تو اسی طوفان مین اُس زندۂ جاوید ماہر سائنس کی لاش بھی بکمال بیدردی ڈالدی گئی، جسنے سب سے پہلے "عدم فنا، مادہ" کا دعوی اختبارات سے ثابت کیا تھا، یعنے لوزیر (Lovisier)۔ یہ جویندۂ حقایق طبیعی سیاسی ہیجان سے غافل، اپنے معمل مین بہ اطمینان سائنٹفک اختبارات مین مصروف تھا، کہ حکومت جمہوری کے پیادے اسے کشان کشان عدالت کے سامنے لے آئے۔ اس شہید علم کو اپنی زندگی کی کیا ہوس ہوسکتی تھی؟ اسنے صرف اتنا کہا، کہ مجھے ذرا اپنے آخری اختبارات تو ختم کرنیکی مہلت دو"۔ اسکے جواب مین کرسی نشینان عدالت نے جو الفاظ کہے، اور جن کا صفحۂ تاریخ سے محو کردینا کسی بڑے سے بڑے بلند بانگ خطیب کے بس مین بھی نہین، وہ علمبرداران حریت و مساوات کے نوعیت افکار و طرز عمل کے نہایت سچے ترجمان ہین۔ یعنی **"جمہوریت (ری پبلک) کو حکما و فلاسفہ کی کوئی حاجت نہین"**

لہ بر کاری کیس کے اصل الفاظ یہ تھے۔ [La Republique N'a pas besoin de savants.

غرض یہ ایک فلسفۂ تاریخ کا مسلم مسئلہ ہے کہ قومون اور جماعتون پر جس زمانہ مین سیاسی ہیجان غالب ہوتا ہی سنجیدہ مباحث سے انکے ذہن کو وحشت ہونے لگتی ہی اور ایسی حالت مین ان کے سامنے کسی علمی موضوع پر بحث کرنا خود ہی متکلم و مخاطب دونون کے فرائض انجام دینا ہی لیکن انہی مصلحت آباد عالم کے اندر بعض ایسے ناعاقبت اندیش طبایع بھی ہین جو کسی شئی کے مفید ہونے کے مقابلہ مین اسکی مقبولیت و عدم مقبولیت کا مطلق لحاظ نہین کرتے اور بہ زمانہ موجودہ تالیف ہذا کا شایع کرنا، شاید اسی طرح کی طبیعت رکھنے کا نتیجہ ہے۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ قومین خطیبانہ بلند آہنگیون اور چند بہ انگیز ستعارہ طرازیون سے نہین بلکہ اپنے تاریخی ماضی کے بعد افراد کی اعلیٰ ذہنی و اخلاقی قابلیتون سے بنتی ہین اور یہ شئی قدرت کے قوانین اور فطرت بشری کے اسرار کے سمجھنے پر تمام تر منحصر ہی پس مولف ہذا کے نزدیک ملک کی سب سے زیادہ حقیقی خدمت یہ ہی کہ ابناے ملک کو اُن علوم و فنون سے روشناس کیا جائے جو متمدن و زندہ اقوام کے لیے لازمۂ حیات ہین اور جن سے واقفیت کے بغیر ہماری قوم صرف جہالت مین نہین بلکہ اُس سے مہلک تر مرض جہل مرکب مین گرفتار ہے، یعنی اپنی جہالت سے بھی ناواقف و جاہل ہے۔

اس بنا پر میرا مدت سے قصد تھا کہ معارف الغرب یا اسی کے مثل کسی دوسرے عنوان سے مختلف و متعدد تصانیف کا ایک سلسلہ اُردو مین تیار کیا جائے جسکی ہر کتاب مین کسی خاص جدید علم کے ضروری مسائل فراہم ہون چنانچہ اس سلسلہ کی ایک دو کتابون کے اجزا بقدر معتدبہ تیار بھی ہوگئے لیکن چند بعض مجبوریون کی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کر دینا پڑا۔

مجھے علوم جدیدہ کی تمام شاخون مین نفسیات (سایکالوجی) کے ساتھ خاص دلچسپی
رہی ہے - پس مین نے ارادہ کیا، کہ سب سے پیشتر اسی فن کو اپنے ابناے وطن کے سامنے
پیش کرون - اسی اثنا مین انجمن ترقی اُردو کے موجودہ قابل سکرٹری سے لکھنو کانفرنس
(دسمبر ۱۹۱۲ء) کی تقریب مین ملاقات ہوئی، اور اُنھون نے فرمائش کی، کہ یہ کتاب
انجمن کی طرف سے شایع ہونا چاہیے - مین نے اسے قبول کیا - لیکن ایسا شخص جسکی
صحت شب و روز مین اُسے دو گھنٹہ سے زیادہ متصل میز پر کام کرنے کی اجازت نہین
دیتی نفسیات کے تمام مسائل کو تھوڑی مدت کے اندر ضبط تحریر مین لے آنے سے معذور
تھا - اسی کے ساتھ مین یہ بھی نہین چاہتا تھا، کہ جو کتاب انجمن کی طرف سے شایع
ہو رہی ہے، اُس مین میری وجہ سے غیر معمولی تعویق ہو - مجبوراً مین نے یہ فیصلہ کیا،
کہ سر دست نفسیات کے ایک جز و اہم (یعنی حصہ جذبات) کو شایع ہو جانا چاہیے اسکے
بعد اگر حالات نے مساعدت کی، تو باقی اجزا پھر نکلتے رہینگے - چنانچہ سکرٹری صاحب نے
مہربانی کر کے اس صورت کو منظور کیا - مئی ۱۹۱۳ء سے مین نے اس کام کے لیے
وقت نکالا، اکتوبر ۱۹۱۳ء مین مسودات تیار ہو گئے، اور اُس وقت سے اسوقت تک
کا زمانہ، پریس و نیز انجمن کے مراحل طے کرنے مین صرف ہوا -

اس کتاب کی طرز تصنیف کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے، کہ یہ کسی کتاب کا ترجمہ
نہین، البتہ اساتذۂ فن کی جسقدر کتابین اس موضوع پر موجود ہین اُنکی تعداد غالب،
اس کا ماخذ ہے - لیکن یہ لحاظ رکھنا چاہیے، کہ اسکے اندر نفسیات کے جسقدر مسائل

درج ہین، اُن سب کی تصدیق مین نے اپنے ذاتی تجربہ یا مشاہدہ سے کر لی ہے اور اس لیے انکی صحت یا عدم صحت کا ذمہ دار صرف مجھی کو قرار دینا چاہیے۔ متعدد مسائل ایسے بھی ہین جن مین مجھے جمہور علماء نفسیات سے اختلاف ہے۔ اس قسم کے مسائل مین سے جو فرعی و ضمنی اُمور تھے، انھین مین نے درج کر دیا ہے، البتہ جہان اصولی اختلاف تھا، اُس کا ذکر مین نے اس کتاب مین مناسب نہین خیال کیا۔

یون تو نفسیات پر مضامین و تصانیف کا جو عظیم الشان ذخیرہ **یورپ و امریکا** مین موجود ہے، اس کا بہت بڑا حصہ پیش نظر تھا، لیکن جن مصنفین سے مین خصوصیت کے ساتھ مستفید ہوا، انکے نام، مدارج استفادہ کی ترتیب کے ساتھ حسب ذیل ہین :- ربیو[1]، جیمس[2]، بین[3]، مرسیر[4]، ڈارون[5]، سلی[6]، وارڈ[7]، ونٹ[8]، منسٹربرگ[9]، اور اسٹاوٹ[10]۔

---

[1] Ribot [2] James [3] Bain [4] Mercier

[5] Darwin [6] Sully [7] Ward [8] Wundt

[9] Munsterberg [10] Stout

گولہ گنج لکھنؤ۔
۱۰ مارچ سنہ ۱۴ء

عبد الماجد

مقدمہ

(۱)

اگر علما و فضلا کی کسی مجلس مین دفعتہً یہ سوال کردیا جائے، کہ دنیا مین سب سے بہتر مفید اور ضروری کون علم ہے، تو مختلف زبانون پر اسکے مختلف جوابات آئینگے۔ فلاطون و ہیگل کے تلامذہ "الٰہیات" کا نام لینگے؛ ارسطو و مل کے مقلدین "منطق" پر زور دینگے؛ کینٹ و ہیوم کے نام لیوا "علمیات" کو پیش کرینگے؛ اسپنسر و ہکسلی کے حلقہ بگوش "سائنس" کے حق مین ووٹ دینگے؛ لیکن اگر شخصی رجحانات و تعصبات سے قطع نظر کرلی جائے، تو تحقیق کی عدالت سے بالآخر یہ فیصلہ، ناطق، صادر ہوگا، کہ جو علم حیات انسانی کی منازل طے کرنے، فرائض معیشت کے ادا کرنے، اور زندگی کے بہمہ وجوہ احسن و مکمل بسر کرنے، مین نسبتاً سب سے زیادہ معین و کارآمد ہے، اسی کی تحصیل، سب پر مقدم اور سب سے ضروری ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اصنافِ علوم مین سے، کون علم اس معیار پر

پورا اُترتا ہے ؟

حیاتِ انسانی جن افعال کے مجموعہ سے عبارت ہے، وہ ہمارے استقصا مین، مندرجۂ ذیل عنوانات کے ماتحت رکھے جاسکتے ہین :-

(۱) وہ افعال جو حیاتِ انفرادی کے قیام مین معین ہوتے ہین،

(الف) براہ راست،

(ب) بالواسطہ،

(۲) وہ افعال جو حیاتِ اجتماعی کی بقا مین معین ہوتے ہین،

(الف) براہ راست،

(ب) بالواسطہ،

ان مین سے طبقۂ اول کے افعال ایسے ہین، جنکے لیے ہمین کسی خارجی معلم کی ہدایت کی حاجت نہین، بلکہ جنکی تعلیم خود دایۂ فطرت کی گود مین ہوتی ہے۔ اس صنف کے بیشتر افعال تو ایسے ہین، جو بغیر ہمارے ارادہ کی وساطت کے ازخود واقع ہوتے رہتے ہین، اور ہمکو اکثر انکی خبر تک نہین ہوتی، مثلاً حرکتِ قلب دورانِ خون، عملِ تنفس، وغیرہ۔ اور پھر وہ اس بے تکلفی، یکرنگی، و قطعیت کے ساتھ ہوتے رہتے ہین، کہ گویا وہ نیم اضطراری ہین۔ بھوک کے وقت کھانا کھالینا، پیاس کے وقت پانی پی لینا، نیند کے وقت سو رہنا، یہ تمام افعال بداہتہً لوازم حیات ہین، لیکن ان مین سے کون فعل ایسا ہے جسکے لیے کوئی شخص ذرّہ بھر بھی

کسی معلم کا شرمندۂ احسان ہوتا ہے۔ غرض اس نوعیت کے افعال ایسے نہین، جو کسی علم کی حیثیتِ افادی کے معیار کا کام دے سکین۔

دوسری صنف کے افعال، جن پر حیات شخصی بالواسطہ مشروط ہے، وہ ہین جنکے مجموعہ کو ہم افعال کسب معیشت کے نام سے موسوم کرتے ہین۔

ظاہر ہے کہ بدل مایتحلل کا سامان جسکے اوپر زندگی کا براہ راست انحصار ہے، بجز اسکے ممکن نہین ہے کہ انسان آمدنی کا کوئی ذریعہ رکھتا ہو، اور اسی کا نام کسب معیشت ہے۔ اکتساب معیشت کی نوعی صورتین چند ہو سکتی ہین:-

ملازمت، تجارت، صنعت و حرفت، اور زراعت۔ یہ چارون صورتین بہ ظاہر بالکل مختلف نظر آتی ہین، لیکن سوچو، تو معلوم ہوگا، کہ ان مین کچھ چیزین مشترک بھی ہین۔ غور کرو کہ ایک ملازم کی کامیابی کا مدار کس شے پر ہوتا ہے؟ صرف دو چیزون پر۔ یا تو اس پر، کہ اپنے آقا کا مزاج دان ہو، اور اسکے مذاق طبیعت کے اسرار پر اطلاع رکھتا ہو، اور یا اس امر پر کہ اپنے خدمات متعلقہ مین سے فرائض اساسی کو فرائض تبعی سے ممتاز رکھکر اول الذکر کو بکمال سرگرمی انجام دے سکے۔ بہرحال ان دونون شقون کا ماحصل یہی ہے کہ اسے عملاً نفس انسانی کے طریق کار سے واقف ہونا چاہیے۔ یہی حال کامیاب تاجرون، صناعون، اور اہل حرفہ کا ہے۔ زمانے کی نبض کو پہچاننا، یہ سمجھنا کہ بازار مین کس شے کی مانگ ہے، یہ اندازہ کرنا کہ فیشن کی رفتار آج کدھر ہے اور کل کس طرف ہوگی، گاہکون کو طرح طرح کی ترغیبات سے

گرویدہ کرنا، اور پھر یہ فیصلہ کرنے کی قابلیت رکھنا کہ کون کون سے مرغبات کس حدتک موثر ہونگے، یہ وہ تمام خصائص ہین، جنکا ایک پرمنفعت کاروبار چلانے والے شخص مین پایا جانا ازبس لازمی ہے۔ اور پھر بالکل یہی حال ایک کامیاب زراعت پیشہ کا ہوتا ہے۔ اقتصادی تغیرات کا ملک کے پیداوار پر کیا اثر پڑیگا؟ سیاسی انقلابات سے ملکی اسباب درآمد و برآمد کہان تک متاثر ہوگا؟ کاشتکار و زمیندار کے درمیان ہمیشہ نبھ سکنے والے تعلقات کن اصول پر قائم ہونے چاہیئین؟ یہ سوالات گو ان الفاظ مین نہ کیے جاتے ہون، لیکن اپنے مفہوم کے لحاظ سے یہ یقیناً ہر کامیاب زراعت پیشہ شخص کے ذہن مین گذرتے ہین، اور جس حدتک وہ ان کا صحیح حل کرتا ہے، اسی نسبت سے وہ اپنے پیشہ مین سرسبز ہوتا ہے۔ تو ان تمام صورتون مین قدر مشترک یہ نکلا، کہ کسب معیشت مین حصول کامیابی کے لیے، انسان مین دوسرون کی ضروریات اور اُن کے طبائع کے اندازہ کرنے کا ملکہ ناگزیر ہے۔ [تمدن نے اس صنف کے افعال کی جو چند جدید صورتین پیدا کردی ہین، مثلاً پیشۂ طبابت، وکالت، جراید نویسی، تصنیف و تالیف، تو اگرچہ اصولاً یہ سب تجارت ہی کے مختلف اشکال ہین، لیکن اگر کوئی ان کے مستقل عنوانات قائم کرنا چاہے، تو بھی یہ تسلیم کرنے سے اسے چارہ نہین، کہ ان پیشون کے لیے طبائع عالم کی نبض شناسی، جمہور کے جذبات و خواہشات سے باخبری، اور نفس انسانی کے عوامل موثرہ سے واقفیت، کی اسی قدر، بلکہ غالباً اس سے زائد، ضرورت ہے۔]

تیسری قسم کے افعال، جن سے حیاتِ اجتماعی براہ راست وابستہ ہے افعال دوگانہ پرمشتمل ہین ایک عمل تزویج، دوسرے اولاد کی پرورش و پرداخت اوران ہر دو افعال کی خوش انجامی، مثل افعال صنف بالا کے، اس امر پر منحصر ہے کہ انسان حیات نفسی کے طریق کار سے واقف ہو، عمل تزویج کے بارہ مین تو اس دعوے کی صحت اس لیئے ظاہر ہے کہ زوجین کا ایک دوسرے کے عادات و خصائل، اوضاع واطوار، اور مذاق طبیعت پر اطلاع رکھنا، اوران کے تغیرات کے قوانین سے واقف ہونا، ساری عمر کے نباہ کے لیے لازمی ہے۔ وہ مرد جو اس سے ناواقف ہے کہ طبقۂ اناث کے خصائص امتیازی کیا ہین؟ اسکے احساسات کے کیا کیا محرک ہوتے ہین؟ اوراسکی دلچسپیون کے دائرہ کا مرکز کیا ہوتا ہے؟ خواہ کتنا ہی لطف و مؤانست برتنا چاہے، لیکن اپنی بیوی کو زیادہ عرصہ تک خوش نہین رکھ سکتا۔ علیٰ ہذا، جو عورت اس سے بے خبر ہے، کہ جنس مقابل کن خصوصیات نفسی مین اس سے متمایز ہے؟ سیرت مردانہ کے نمایان خط و خال کیا ہوتے ہین؟ عورت کی کون ادائین اسے پسند، اورکون ناپسند ہوتی ہین؟ وہ خواہ شوہر کی اطاعت شعاریون مین اپنے تئین فرش راہ بنادے، لیکن ایسے زوجین کے باہمی پیار و محبت کو کبھی استقلال و پائداری نہین نصیب ہوسکتی۔ رہی تربیت اولاد؟ تو اسکے متعلق یہ غور کرنا چاہیئے کہ تا وقتیکہ کوئی شخص ان امور سے واقف نہو کہ بچہ کے قویٰ کا نشو و نما کن اصولون پر ہوتا ہے؟ اسکے

قواے مخفیہ کا ظہور کس خاص ترتیب کے ساتھ ہوتا ہے ؟ اسکا ذہن تادیب وتعزیر کی کن صورتون سے متاثر ہوتا ہے ؟ ترغیب وتشویق کی کن شکلون کو قبول کرتا ہے ؟ کن مضامین کی طرف اسکی طبیعت کو خاص مناسبت ہے ؟ اور کیرکٹر کی ترکیب کن عناصر سے ہوتی ہے ؟ وہ کیونکر اپنی اولاد کو تربیت دینے مین کامیاب ہوسکتا ہے ؟

آخر مین اُن افعال کا نمبر آتا ہے، جن پر حیات اجتماعی گو براہ راست مشروط نہین، تاہم وہ اسکے قیام وتحفظ وترقی مین، قریب یا بعید، کسی نہ کسی واسطہ سے ضرور مدد دیتے ہین، مثلاً مشاغل سیاسی، وضع قانون، نظام مذہب کی تعیین، وغیرہ۔ تو یہ افعال بداہۃً ایسے ہین، جنکے صدور کے لیے انسان کو سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے، کہ وہ عام فطرت انسانی کا نباض ہو؛ نفوس بشری کے باہمی تاثیر وتاثر، فعل وانفعال کے قوانین کا محرم اسرار ہو؛ یہ جانتا ہو کہ جذبات کن کن ذرائع سے برانگیختہ کیے جاسکتے ہین؟ اور اس امر سے واقف ہو کہ ان کی برانگیختگی دنیا مین کیسے عظیم الشان کام انجام دے سکتی ہے۔ اس اصول کو سپنسر کے الفاظ مین مختصراً اگر سمجھنا چاہو، تو یون کہہ سکتے ہین، کہ جماعت عبارت ہے مجموعۂ افراد سے، پس اعمال اجتماعی سے مراد ہی مختلف افراد کے اعمال کے مجموعہ سے، اور چونکہ اعمال انفرادی تابع ہوتے ہین نفوس افراد کے قوانین واصول کے، اس لیے لازم ہے، کہ اعمال اجتماعی بھی اپنی

تکوین مین قوانین نفسی کے تابع و محکوم ہون، اور اس لیے اعمال اجتماعی کی کیفیت ذہن نشین کرنے کے لیے، خواہ وہ عمرانیات سے متعلق ہو، یا سیاسیات سے، یا اخلاقیات سے، یا دینیات سے، قوانین نفسی سے واقفیت لازمی ہے - اسی قبیل سے وہ مشاغل بھی ہین، جو ہیئت اجتماعیہ کی مشین پر صرف آب و رنگ کا کام دیتے ہین، اور جن کا مقصد محض حصول تفنن و تفریح ہے، یہ فنون لطیفہ، بہ ظاہر قواے ذہنی سے نہایت بعید تعلق رکھتے ہین، لیکن غور کرو کیونکہ فنون لطیفہ کے پیشہ ورون سے زیادہ کس شخص کے لیے قوانین نفس سے واقفیت ضروری ہے! ذرا اُس نقاش کا خیال کرو، جو یہ نہین جانتا کہ مختلف الوان اپنے مین جلب توجہ کی قوت کس درجہ تک رکھتے ہین، یا اُس گویے کا تصور کرو، جو اس نکتہ سے ناآشنا ہوتا ہے، کہ مختلف تال اور سُر کن کن حالات نفس کے متناسب ہوتے ہین - پھر دیکھو کہ یہ پیشہ ور اپنے اُن حریفون سے، جو حیات نفسی کے ان نکات سے آشنا ہوتے ہین، کامیابی کی دوڑ مین کس قدر پیچھے رہ جاتے ہین -

غرض، دنیا مین جسقدر کاروبار، جسقدر پیشے، جسقدر مشاغل، انسان کے لیے ہو سکتے ہین، اُن مین سے اُصولاً ایک بھی ایسا نہین جسمین حصول کامیابی کے لیے حیات نفسی کے اصول و قوانین سے عملاً واقف ہونا ضروری نہ ہو - اور جس علم مین حیات نفسی کے اِنھین اصول و قوانین کی باقاعدہ تشریح کیجاتی ہے،

اسی کا نام نفسیات ہے۔

(۲)

مین نے ایک روز اپنے ایک دوست سے خواہش کی، کہ میری آنکھون پر پٹی باندھکر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لے لین، اور مکان کے کسی دوسرے حصہ مین رکھی ہوئی کسی شے کا برابر تصور کرتے رہین۔ میرے دوست نے اس فرمائش پر پورا پورا عمل کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ مین اپنی جگھ سے اُٹھا، اور ابھی چند منٹ نہ گذرنے پائے تھے، کہ دوسرے کمرہ مین جاکر اُسی چیز پر ہاتھ رکھدیا، جو میرے دوست کے تصور مین تھی۔ اُن کو اس واقعہ پر سخت حیرت ہوئی اور وہ اسے میری کسی مافوق عادت قوت کی جانب منسوب کرنے لگے، مگر مین نے اپنے دوست کو دیر تک دھوکے مین مبتلا رکھنا نہ چاہا، اور اُن سے مخاطب ہوکر کہا، کہ آپ جس شئے کے تصور مین محو تھے، آپ کے عضلات کو برابر اُسی کی جانب جنبش ہوتی جاتی تھی، جو گو اسقدر خفیف تھی، کہ آپ کے شعور مین نہین آتی تھی، مگر مین اُسے بدقت محسوس کرتا جاتا تھا۔ اور مین اُس شئے تک کسی مافوق عادت قوت کی امداد سے نہین پہونچا، بلکہ صرف آپکے ہاتھ کے سہارے سے، کہ اپنے ہاتھ کو، آپ اپنے تمام جسم کے ساتھ، اُس شئے متصورہ کی جانب غیر شعوری حرکت دیتے جاتے تھے، اور مین اُسی کی رہبری مین قدم اُٹھاتا جاتا تھا،

یہان تک کہ اُس شئے تک پہنچ گیا۔ خیال کی یہ اثر آفرینی، اور کسی تصور کے قائم رہنے سے عضلات جسم مین جو غیر ارادی و غیر شعوری حرکت پیدا ہو جاتی ہو، اس کا وقوع، ایک اہم نفسیاتی نکتہ ہے، جسکی بے خبری سے انسان صدہا ڈھکوسلون اور وہم پرستیون مین مبتلا رہتا ہے، اور مطالعہ نفسیات کی مدد سے، جن کا پردہ اُٹھ جانے سے وہ سیکڑون فریب کاریون کے شکار ہونے سے بچ سکتا ہے۔

ابھی حال کا ذکر ہے کہ **یورپ** کی کسی یونیورسٹی کا پروفیسر جسکی دستار علم پر طرہ دولت بھی تھا، ایک شب کو اپنے کمرہ مین تنہا سو رہا تھا، کہ دفعتاً ایک ڈاکو پستول سے مسلح اُسکی خوابگاہ مین داخل ہوتا ہے، اور پستول کو پروفیسر کی پیشانی پر رکھکر اُس سے چھپی ہوئی دولت کا پتہ دریافت کرتا ہے۔ سوتے ہوے شخص کی آنکھ کھُل جاتی ہے۔ لیکن خفتگی بخت کا منظر روبرو ہے، اور اُسے نظر آجاتا ہے، کہ اگر اس نے ذرا بھی شور وغل یا مُدافعت کی کوشش کی، تو شاید پھر ہمیشہ کے لیے سوجانا پڑے۔ اب نفسیات دانی کا افادۂ عملی دیکھو، کہ اس کے چہرہ پر اضطراب و بدحواسی کی خفیف سی خفیف علامت بھی نہین ظاہر ہونے پاتی۔ وہ نہایت اطمینان و بے خوفی کے ساتھ، ڈاکو سے کہتا ہے، کہ "یہ کیا مردانگی ہے، کہ ایک سوتے ہوے غیر مسلح شخص پر تم تین مسلح آدمی مل کر حملہ آور ہوتے ہو"۔ ڈاکو، جو تنہا آیا تھا، گھبرا کر پیچھے دیکھنے لگتا ہے، کہ یہ میرے دو اور ساتھی کہان سے پیدا ہو گئے

پروفیسر کو اب کافی موقع مل جاتا ہے، حملہ آور کے ہاتھ سے جھپٹ کر پستول چھین لیتا ہے، اور اُسے بہ آسانی مغلوب کرلیتا ہے۔ دریافت سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ پروفیسر سائکالوجی کا پروفیسر تھا، جو نفسیات کے اس راز سے واقف تھا، کہ ایسے مواقع پر کامیابی کا سب سے موثر ذریعہ، اپنے حواس کو مجتمع رکھنا، اور حریف کو بدحواس کردینا ہے۔

ایک ڈرایور، رات کے وقت، ٹرین لیے چلا آرہا تھا، سامنے اسٹیشن کے سگنل پر سُرخ لالٹین، جو ممانعت کی علامت ہے، چڑھی ہوئی تھی، لیکن وہ ٹرین لیے ہوے چلا ہی آیا، یہان تک کہ اُسکی ٹرین، دوسری ٹرین سے جو پلیٹ فارم پر کھڑی تھی، ٹکرا گئی۔ تصادم سخت تھا، بہت سے لوگ زخمی ہوے، بہت سے کام آئے، ڈرایور ماخوذ ہوا، مقدمہ چلا، مگر عدالت مین اُسنے بیان کیا کہ لالٹین کی روشنی مجھے سبز نظر آئی تھی، اسی لیے مین ٹرین بڑھائے لایا۔ ڈاکٹر کا اظہار ہوا۔ انھون نے مخالفانہ شہادت مین بیان کیا، کہ اسکی بصارت صحیح و سالم ہے، اس لیے اسے سُرخ شے کو سبز دیکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ایک عالم نفسیات کو خبر ہوئی۔ اُسنے کہا "یہ بالکل ممکن ہے کہ کسی شخص کی بصارت دیگر حیثیات سے بالکل صحیح ہو، لیکن اسے "نابینائی رنگ" کا مرض ہو، یعنی ایک رنگ کو دوسرے سے تمیز نہ کرسکتا ہو، اور یہ وہ مرض ہے جسکی تشخیص معمولی اطبا نہین کرسکتے، مگر امریکا و جرمنی کے

نفسیات اختیاری کے معلون مین اسکا وجود بخوبی ثابت ہو چکا ہے "

ایک شخص متعدد بار کا سزا یافتہ تھا، لیکن عدالت کی ہر سزا دہی، اُسکی جرم پسندی کو تقویت پہنچاتی۔ وہ جب جیلخانے جاتا تو پرانے عادی مجرمون کی ہمنشینی اُسکی مجرمانہ سرشت کو اور پختہ کردیتی۔ پھر اس پر وہ تحقیر آمیز برتاو، وہ ذلت آفرین سلوک مستزاد تھا، جو سوسائٹی ہر مجرم کے ساتھ کرتی ہے، مگر جب آخری مرتبہ اُسپر مقدمہ قائم ہوا تو اُسکے بیرسٹر نے، بجائے کسی حقارت آمیز برتاو کے، بڑھکر اُس سے ہاتھ ملایا، اور اپنے برابر کرسی پر جگہ دی۔ اس واقعہ کا اعجاز دیکھو، کہ مجرم کی فوراً قلب ماہیت ہوگئی، اور وہی ہستی، جو چند ساعت پیشتر بدوضعی و جرم پیشگی کی مرادف تھی، اُس گھڑی سے شایستگی اور پابندی قانون کا مجسمہ بن گئی۔ بیرسٹر نفسیات، کی اس حقیقت کا رمز شناس تھا، کہ سوسائٹی جس طرح کا اثر افراد پر ڈالتی ہے وہ اسی سانچہ مین ڈھل جاتے ہین۔ اگر کچھ لوگ سازش کرکے کسی شخص کو دیوانہ کہنا شروع کردین تو چند روز مین واقعۃً اُس شخص سے وحشت و جنون کے حرکات ظاہر ہونے لگین گے۔ اگر کسی شخص کے ہمنشین اُسے نظرون سے گرانے لگین، تو کچھ عرصہ مین وہ شخص خود اپنی نظرون مین ذلیل معلوم ہونے لگیگا۔ اور اگر اسی طرح کسی شخص کی ہر طرف سے حوصلہ افزائی ہوتی رہے، تو چند روز کے بعد اُس مین از خود بلند ہمتی و بلند حوصلگی پیدا ہوجائیگی یہی حال مجرم کا بھی ہے۔ اگر ہم اپنی متواتر اثر آفرینیون سے

اُسے یہ خیال دلاتے رہین کہ وہ جرائم پیشہ و قابل تحقیر ہے۔ تو وہ یقیناً ایسا ہی ہو جائیگا۔ لیکن اگر ہم اپنے طرز عمل سے اُسکے ذہن مین یہ عقیدہ ڈال دین کہ وہ ایک شریف آدمی ہے، اور ہم اُس سے وہی توقعات رکھتے ہین، جو ایک شایستہ شہری سے رکھنا چاہیئین تو وہ یقیناً ایسا ہی ہو جائے گا۔ لیکن اس نکتہ تک نہ مجسٹریٹ کے ذہن کی رسائی ہو سکتی ہے، نہ پولیس کی، اور نہ وکیل و بیرسٹر کی، تا وقتیکہ وہ موثرات نفس انسانی سے واقف نہ ہو۔

جن انسانی ہستیون کو لوگ حسین یا معشوق کہتے ہین، انکی حالت پر نظر کرو۔ وہ انسان ہوتے ہین اور مثل دیگر انسانون کے ہر طرح کے حوائج بشری رکھتے ہین۔ عام انسانون کی طرح وہ کھاتے ہین، پیتے ہین، سوتے ہین، چلتے ہین، پھرتے ہین، اور معاشری ضروریات کے لیے دوسرون سے ملنے جلنے اور راہ و رسم رکھنے پر اسی طرح مجبور رہین، جیسے کہ ان کے چاہنے والے۔ باانیہمہ وہ سارے زمانہ سے ملینگے، لیکن اپنے شیداؤن سے بے التفاتی کرینگے؛ اور سب سے میل محبت خلا ملا رکھینگے، لیکن اپنے عاشقون پر بے اعتنائی صرف کرینگے۔ آخر اس کا کوئی سبب؟ اس کا سبب محض یہ ہے کہ معشوقون کی اس جماعت نے گو کہین نفسیات کی باضابطہ درسی تعلیم نہین حاصل کی تاہم وہ جبلتہً نفس انسانی کے اس گہرے راز پر مطلع ہوتی ہے، کہ بے تکلفی و ہم صحبتی، وقعت

دولہ شوق کو گھٹا دیتی ہے، اور جس شے کا اشتیاق برقرار رکھنا منظور رہے، چاہیے کہ وہ شائقین کے دسترس سے کسی قدر دور رہے۔

دو لڑکے جنکی عمرین سات سات سال کی ہونگی، الگ الگ اپنے ماسٹرون سے جغرافیہ کا درس لے رہے تھے۔ سبق مین آفتاب اور کرۂ ارض کے درمیانی فاصلہ کا بیان تھا، ایک ماسٹر نے اپنے شاگرد سے کہا، کہ زمین سے آفتاب تقریبًا نو کروڑ میل دُور ہے۔ لڑکے نے اس جملہ کو سنا، لیکن اسکی سمجھ مین مطلق نہ آیا، کہ "نو کروڑ" کیا شے ہے، اور گو اُستاد کے رعب سے وہ زبان نہ ہلا سکا، لیکن اسکی اندرونی حالت ٹٹولو، تو معلوم ہوگا، کہ اس کے علم پر اس اطلاع سے مطلق اضافہ نہین ہوا۔ دوسرے اُستاد نے اسکے برخلاف، ایک نرم لہجے مین اپنے طالبعلم سے سوال کیا، کہ "اچھا، یہ بتاؤ، اگر کوئی شخص اسوقت کرۂ آفتاب مین بیٹھا ہوا تمھارے اس کمرے کو تاک کر بندوق کا نشانہ لگائے، تو تم کیا کروگے"؟ بچہ نے فورًا جواب دیا "کرونگا کیا؟ جلدی سے کمرہ سے نکل کر بھاگ جاؤنگا"۔ اس پر ماسٹر بولا، کہ "مگر نہین، اسکی کیا ضرورت ہے۔ تم بدستور اطمینان سے اسی کمرہ مین بیٹھے رہو، اور روز اسی طرح پڑھتے رہو، یہان تک کہ ایک روز تم بی۔ اے پاس ہو جاؤگے، نوکری کروگے، شادی کروگے، اولاد ہوگی، وہ اولاد خود اسکول مین پڑھیگی، اور تم میرے ایسے ضعیف ہو جاؤگے، تب کہین جا کر اتنی مدت

کے بعد، آفتاب سے آج کا چلا ہوا گولہ اس کمرہ تک پہونچیگا! ذرا خیال تو کرو، کہ آفتاب ہماری زمین سے کیسا بعید فاصلہ پر ہے، کہ وہان کا چلا ہوا گولہ یہان بیسیون سال مین جاکر پہونچ پاتا ہے "۔ ظاہر ہے کہ ان مین سے پہلا معلم، نفسیات کے قوانین سے جاہل، اور دوسرا اُن سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نفس بشری ہمیشہ مجہول کو معروف کے واسطہ سے پہچانتا ہے، پس آفتاب کا فاصلہ، جو ایک مجہول شے تھی، کسی ایسی چیز کی وساطت سے بچہ کے ذہن نشین کرانا تھا، جو اُسکے لیے معروف و معلوم ہو، نہ کہ ایسی شے کے ذریعہ سے جو بجاے خود مجہول و نامعلوم ہو، (مثلاً "نو کروڑ" کے عدد کا تصور) فن تربیت کے تمام اصول، درحقیقت، صرف قوانین نفسی کے تفریعات ہین۔

حال مین ہندوستان کے مسلمانون نے یہ محسوس کرکے کہ ان کے معابد و مقامات متبرکہ، یوروپین سیاست سے خطرہ مین ہین، ان کے تحفظ کی مختلف تدابیر اختیار کرنا شروع کین، جن مین سب سے بڑی تحریک، ایک عظیم الشان مرکزی انجمن کا قیام تھا۔ اس انجمن نے اپنے اغراض و مقاصد شایع کیے، اپنے قواعد وضوابط کا اعلان کیا، ارکان کے داخلہ کے شرائط متعین کیے، ان کے فرائض و ذمہ داریون کو مختص کرکے بتایا۔ یہ ہونا تھا کہ اس پر نکتہ چینی شروع ہوگئی، اور جہان صدہا اسکے ہمدرد تھے، وہان بہتون نے اعتراضات بھی شروع کردیے،

اور چونکہ اسکے قواعد، ضوابط، و شرائط، بالکل متعین و غیر مشتبہ تھے، اس لیے
ہر شخص کو تنقید کا کافی موقع حاصل تھا۔ اسی زمانہ مین ایک مشہور پرچہ کے اڈیٹر
نے جسکی خطیبانہ بلند آہنگی سے پبلک پیشتر ہی مرعوب تھی، ایک دوسری انجمن کے
قیام کا اشتہار دیا، اسکی ضرورت پر دُھوان دھار مضامین لکھے، اسکے قیام کو ناگزیر
تبلایا، اپنی حریف انجمن کے اوپر نہایت غیر معقول، مگر نہایت جذبہ انگیز اعتراضات
کیے، اپنی انجمن کے فوائد و منافع پر بیسیون صفحات لکھ ڈالے۔ باانیہمہ اسکے کسی
ضابطہ، کسی قاعدہ، کسی اصول عمل، کسی طریق کار، کی ایک موقع پر بھی تصریح و
تعیین نہین کی، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ جوق جوق اسی انجمن پر گرنے لگے، یہان تک
کہ چند روز مین اسکے ارکان کا دائرہ نہایت وسیع ہوگیا، اور اگر بعض اتفاقی
اسباب سے اسکے بانی کو اپنا عزم ملتوی نہ کردینا پڑتا، تو انکی تعداد حیرت انگیز
طور پر بڑھ جاتی۔ مین نے اس انجمن کے متعدد ارکان سے ان کے فرائض اور
ان کی انجمن کے اصول و ضوابط، دریافت کیئے، مگر ایک شخص بھی جواب نہ دیسکا
بادی النظر مین یہ واقعہ عجیب معلوم ہوگا، لیکن دراصل، اس اڈیٹر کی نفسیاتی صولت اور
یہ ایک چال تھی وہ نفس انسانی کی اس خصوصیت کا رازدان تھا، کہ جو شے للچ
دلا دلا کر جتنی زیادہ راز مین رکھی جائیگی، اُتنا ہی ذوق و شوق سے انسان اُس پر
گریگا۔ لیکن جون جون وہ شے اسکے سامنے بے نقاب آتی جائیگی، اتنی ہی اُسکی
وقعت کم ہوتی جائے گی، اُسکے محاسن کے ساتھ اُسکے معائب، بے پردہ نظر کے

سامنے آتے جائینگے، اور اسکی طرف سے کوئی دلفریبی نہ باقی رہیگی۔ جنگل کا منظر فاصلہ سے کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے، لیکن قریب آکر دیکھو، تو بجز بدقطع اور مہیب درختون کے مجموعہ کے کوئی شے نہین نظر آتی۔

اشتہار ہر تاجر دیتا ہے، لیکن ہر اشتہار، ہالوے صاحب کے مرہم اور لیپٹن صاحب کی چاے کے برابر پر منفعت نہین ہوتا، جسکا باعث یہ ہے کہ اشتہارات کی کامیابی کوئی اتفاقی شے نہین ہوتی، بلکہ خاص خاص اصول وقوانین کے تابع ہوتی ہے۔ عام دکاندار انھین اصول کو نظر انداز کر دیتے ہین، اور خوش قسمت ان کو دلیل راہ بنا لیتے ہین۔ اشتہاری کامیابی کا اصل الاصول اشتہار کی جانب پبلک کی اضطراری جلب توجہ ہے، اور اسی ایک اصول کو نظر انداز کر دینے سے اتنے مشتہرین ناکام رہتے ہین۔ ایک شخص فلسکیپ سائز کے کاغذ پر اشتہار دیتا ہے، اور اس کا عنوان ایک بڑے لانبے چوڑے جملہ کو قرار دیتا ہے، لیکن یہ غریب نفسیات کے اس قانون سے ناواقف ہی، کہ انسان کا ذہن ایک وقت مین صرف چار چیزون کا احاطہ کرسکتا ہی (خواہ وہ گنتی مین چار روپیہ ہون، یا پڑھنے مین چار لفظ) اور اس لیے عجلت کی حالت مین ناممکن ہے کہ وہ بہ یک نظر کسی طویل العنوان اشتہار پر متوجہ ہوسکے۔ ایک دوسرا شخص اپنی چیزون کا اشتہار ہمیشہ ایک ہی پرچہ مین شایع کراتا ہے، مگر وہ

اس حقیقت سے بیگانہ ہے، کہ نفس انسانی پر زیادہ موثر وہ دعویٰ ہوتا ہے،
جو خفیف ظاہری تغیرات کے ساتھ مختلف ذرائع سے اسکے سامنے پیش ہوتا
رہے۔ ایک تیسرا شخص اپنے اشتہار کو نمایان بنانے کے لیے سیاہ زمین مین سفید
الفاظ درج کرتا ہے، مگر وہ اس نکتہ سے ناآشنا ہے کہ صورت بالعکس مین،
یعنی سفید زمین پر سیاہ الفاظ تحریر کرنے مین جلب توجہ کی قوت زیادہ ہوتی ہی
ایک اور مشتہر جلب توجہ کے اصول سے غلط واقفیت پیدا کرکے اپنے اشتہارات
پر کوئی عجیب و غریب تصویر بنا دیتا ہے، کہ لوگ فرط حیرت سے اسے خود بخود
دیکھینگے، لیکن یہ بیچارہ اس کلیہ سے بے خبر ہے، کہ غیر متعلق الفاظ و تصاویر
کا اندراج، مشتہر کے حق مین بجاے مفید ہونے کے مضر پڑتا ہے۔ کتابون کے
اشتہار مین مینڈک کی تصویر، شراب کے اشتہار مین ہاتھی کی تصویر، بجاے
جالب التوجہ ہونے کے شے مشتہرہ اور تصویر مندرجہ کے درمیان ایک عظیم
افتراق ذہنی پیدا کر دیتی ہی، جو سخت مضر ہے۔ غرض اسی طرح کی بداحتیاطیان
اور قوانین نفسی کی خلاف ورزیان ہی وہ اسباب ہین، جنکے باعث عام مشتہرین
خسارہ مین رہتے ہین۔ فن اعلانیات کے تمام اصول، درحقیقت قوانین نفسی ہی
پر مبنی و متفرع ہین۔

یہ حقیقت اب تمام قابل لحاظ طبی حلقون مین مسلّم ہو چکی ہے، کہ تقریباً تمام

امراض دماغی اور نیز بعض دیگر امراض مین بجاے ادویہ کے تدابیر خارجی اور احتیاط
نفسی زیادہ کارگر ہوتی ہین، اور معالج کو بجاے علم الادویہ کے علم النفس کا زیادہ
ماہر ہونا چاہیئے -

نپولین اعظم، جب پہلی بار گرفتار ہو کر جزیرہ الیا مین نظربند کیا گیا، اور
کچھ عرصہ کے بعد موقع پاکر وہان سے مفرور ہوا، تو اسکے ہمراہ اسکے قدیم سپاہیون
کی ایک مختصر جماعت تھی، جو نہ بلحاظ کثرت تعداد، نہ بلحاظ آلات جنگ، اور نہ بلحاظ
سامان رسد وغیرہ کے اس قابل تھی، کہ کسی قوی حریف کا مقابلہ کر سکتی - مگر اس
باہمت، گو معزول تاجدار نے اِسی کی مدد سے ملک فرانس، بلکہ تمام یورپ کے
علی الرغم اپنے ازدست رفتہ تخت پر دوبارہ قابض ہونا چاہا - پہلے ہی معرکہ مین
بیس ہزار تازہ دم جوانون کا سامنا کرنا پڑا! موقع ایسا نازک کہ ذاتی شجاعت و تہور
کا اظہار قطعًا بے سود تھا - کوئی دوسرا جنرل ہوتا، تو بدحواس ہو جاتا - لیکن
نپولین کی عملی نفسیات دانی کی داد دینی چاہیئے، کہ جس وقت دونون فریق
صف آرا ہوئے، وہ تن تنہا، بغیر کوئی سلاح جنگ لیے ہوئے اپنی جماعت سے
نکلا، اور اسی حالت سے بہ کمال اطمینان فریق مخالف کی صفوف کے سامنے
آکھڑا ہوا - کوٹ کے بوتام کھول کر اپنے سینہ کو برہنہ کر دیا، اور ایک عجیب پر اثر
لہجہ مین اپنے مخالف سپاہیون سے، جن مین سے اکثر ایک زمانہ مین اسکے ماتحت

رہ چکے تھے، خطاب کرکے للکارا: کہ

"تم میں وہ کون سپاہی ہے جو اپنے والد کے عریان سینہ پر فیر کرنیکو تیار ہے" ؟

اس آواز کا اثر معجزانہ تھا "کوئی نہیں" "کوئی نہیں" کی صدا بلند ہوئی اور

اقرار ساتی کی شہادت زبان عمل نے یہ دی کہ معاً تمام سپاہی اپنی جماعت کو چھوڑ نپولین کے زیر علم آگئے

نپولین جماعات کے اس خاصہ نفسی سے واقف تھا، کہ ان کو مسحور و مسخر کرنے کا راز صرف تین چیزوں

میں شامل ہے: سطوت ذاتی (جسکا نپولین بہت بڑا حصہ دار تھا) بلند آواز اور موثر لہجہ۔

بیانات بالا کے ماحصل کو یہاں بطور خلاصہ کے یوں کہہ سکتے ہیں کہ

(۱) اصولاً، نفسیات کی تحصیل ہر شعبہ حیات کے لیے لازمی ہے (جیساکہ تمام شعبجات

حیات کی تحلیل کرنے سے معلوم ہوا)

(۲) عملاً دنیا میں ہر پیشہ و فن کی انھیں لوگوں کے حصہ میں کامیابی رہتی ہے جو قوانین نفس کو ملحوظ

رکھکر مشغول کار رہتے ہیں، ثبوت و شواہد ان ہر دو دعاوی کے اوپر گذر چکے لیکن ممکن ہے کہ

اس موقع پر ناظرین کے ذہن میں ایک شبہہ پیدا ہو، جس کا رفع کردینا ضروری ہے۔

معترض کہہ سکتا ہے کہ تم نے جو شواہد پیش کیے ہیں ممکن ہے کہ وہ بجائے خود صحیح ہوں،

لیکن اس سے تعلیم نفسیات کی اہمیت کا جو نتیجہ نکالنا چاہتے ہو، وہ بداہتہً غلط ہے جتنے کامیاب

کاریگر، جتنے کامیاب ڈاکٹر، جتنے کامیاب بازیگر، جتنے کامیاب بیرسٹر، اور جتنے کامیاب

تاجر اب تک دنیا میں گذرے ہیں ان میں سے کتنے ایسے ہوے ہیں، جنھوں نے

"اصول نفسیات" کی باضابطہ تعلیم حاصل کی تھی؟ کتنے ایسے ہوے ہین،
جو اس علم کی ابجد سے بھی روشناس تھے؟ پس جب ہم بلا اس علم کی مدد کے
ہر صیغہ مین بہ آسانی کامیابی حاصل کر لیتے ہین تو کیون بلا وجہ اُسکی تحصیل
مین وقت، محنت و قوت کے صرف کو گوارا کیا جائے؟

لیکن معترض نے شاید اس پر لحاظ نہین کیا، کہ صدہا اشخاص نے صرف
ونحو کا نام بھی نہ سُنا، مگر اپنی زبان مین صحت کے ساتھ گفتگو کر لیتے ہین؛ ہزارون
نے منطق کی کسی کتاب کی شکل تک نہین دیکھی، لیکن واقعات کے صحیح نتایج تک
پہونچ جاتے ہین۔ لاکھون کے کان مین اصول حفظ صحت و عضویات کے
کسی مسئلہ کی بھنک تک نہین پڑی، لیکن وہ صحیح و سالم اور قوی ہین۔ تو کیا
اس بنا پر صرف ونحو، منطق اور عضویات کی اہمیت سے اغماض کیا جا سکتا ہے؟

اصل یہ ہے کہ وہ تمام شعبہ جات حیات، جو انسان بطور فن کے اخذ
کرتا ہے، دو متمایز پہلو رکھتے ہین: ۔ علمی اور عملی لوگ علی العموم اکتساب فن صرف
عملی پہلو سے کرتے ہین، انمین بخوبی کامیابی حاصل کر لیتے ہین، اور روزمرہ
کی بپی بندھی زندگی مین اس سے بہ آسانی کام چل جاتا ہے۔ لیکن اسی زندگی
مین اکثر ایسے موقع بھی پیش آجاتے ہین، جب معمولی عملیّت سے کام نہین چلتا،
بلکہ اصول فن سے واقفیت لازمی ہوتی ہے۔ بھوک و پیاس کے محسوس کرنے
مین افریقہ کا وحشی اور ارسطو، دونون برابر ہین، لیکن طلوع و غروب آفتاب کی

علت کے سُراغ لگانے مین اصول منطق سے بیگانگی کا پردہ فاش ہوجاتا ہی۔
عام صحت جسمانی دقوت مین، ایک جاہل دہقانی، شاید بقراط و جالینوس
سے کچھ قدم آگے ہے، لیکن جب امراض کا نرغہ ہوتا ہے، تو بجز اسکے چارہ
نہین کہ عضویات اور طب کے ماہر سے رجوع کیا جائے یہی حال نفسیات کا
ہے، روزانہ زندگی کی جزئی ضرورتین، جبلت کی مدد سے پوری ہوتی رہتی
ہین، لیکن جب کوئی شاہراہ عام سے ہٹی ہوی، ذرا نازک و پیچیدہ صورت
حال آواقع ہوتی ہے، تو نفسیات کی علمی حیثیت سے تحصیل کی ناگزیری
واضح ہوجاتی ہے۔ بعض خاص حالتون مین ممکن ہے کہ ان غیر معمولی
مواقع آزمائش پر بھی انسان محض جبلت کی مدد سے پورا اُتر جائے لیکن یہ استثنائی
صورتین ہین، اور کوئی کلیہ مستثنیات کی بنا پر نہین قائم کیا جا سکتا۔

(۳)

فلسفہ کیا ہے ؟ اس کا جواب ہم اپنے ایک علحدہ مضمون مین دے
چکے ہین[1]۔ اس مضمون مین مذاہب فلسفہ کی اجمالی تاریخ کے ساتھ ہم نے
فلسفہ کی ماہیت کسی قدر تفصیل سے تبلائی تھی، اور اسکے لیے ہمین مختلف اسالیب
بیان اختیار کرنے پڑے تھے۔ ذیل مین ہم مضمون مذکور کے بعض ضروری

[1] مندرجہ رسالہ الناظر (لکھنؤ) بابت جنوری ۱۳۱۹ء

اقتباسات درج کرتے ہین، جن سے امید ہے کہ فلسفہ کی ماہیت، ناظرین کے ذہن نشین ہوجائے :-

"موجودات عالم، جن اشیاء کے مجموعہ سے عبارت ہے، اس پر یون تو ہم متعدد حیثیات سے نظر کر سکتے ہین، ..... لیکن اگر خالص تحقیق و علم افزائی مقصود ہے، تو اس نقطۂ خیال سے کائنات پر نظر کرنے کی دو ہی صورتین ممکن ہین۔ ایک تو اس حیثیت سے کہ مختلف اشیاء سے ہمارے آلات حواس جو متاثر ہوتے ہین، انکی وساطت سے ہمین اُن اشیاء کے متعلق کیا معلومات حاصل ہوتے ہین ؟ ..... اسے سائنس کہتے ہین ..... دوسری صورت یہ ہے کہ اشیاے عالم کی علت غائی پر غور کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ فلان شے کا وجود کس آخری غرض، کس انتہائی مقصد کے لیے ہے جو علم کائنات پر اس حیثیت سے نظر کرتا ہے، اُس کا نام فلسفہ ہے سائنس اور فلسفہ کے فرق کو ایک واضح مثال کے ذریعہ سے یون سمجھنا چاہیے، کہ مثلاً علم الحیات کے مطالعہ سے ہمین یہ معلوم ہوجاتا ہے، کہ جبتک انسان کے گرد و پیش چند خاص حالات مجتمع ہین، مثلاً ایک خاص درجہ کی حرارت، ایک خاص حدتک روشنی، ایک خاص قسم کی آب و ہوا، اُس وقت تک انسان زندہ ہے، اور جہان ان حالات مین کوئی غیر معمولی تغیر ہوا، وہین انسان کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوجاتا ہے لیکن یہ مسئلہ کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے ؟ ایسا ہی جیسے علم الحیات

یا سائنس کا کوئی شعبہ ہاتھ نہین لگا سکتا، اس سوال کا جواب دینا فلسفہ کا کام ہے۔ یہ بے شبہ صحیح ہے کہ اغراض و مقاصد کی تلاش ہر عامی سا عامی شخص بھی اپنی روزانہ زندگی مین کیا کرتا ہے، مگر فرق یہ ہے کہ اسکے سوالات اشیا کے قریبی و فوری اغراض سے متعلق ہوتے ہین، بخلاف اسکے ایک فلسفی کے سوالات کا تعلق ہمیشہ اشیا کے اغراض بعیدہ و مقاصد اولی سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ یہ کاغذ اس وقت میز پر کیون رکھا ہے؟ تو یہ ایک عامیانہ استفسار ہے۔ لیکن اگر وہی شخص یہ دریافت کرے کہ کاغذ کے عالم وجود مین آنے کی کیا مصلحت، کیا غرض ہے؟ تو یہ بلا شبہ ایک فلسفیانہ مسئلہ کہا جا سکتا ہے۔

"ایک دوسرے پیرایہ مین فلسفہ کی تعریف ان الفاظ مین بھی کی جا سکتی ہے، کہ وہ، وہ علم ہے جسمین موجودات کے متعلق وسیع ترین کلیات قائم کیے جاتے ہین......

"ایک اور طریقہ سے فلسفہ کی ماہیت یون بھی سمجھائی جا سکتی ہے، کہ جس علم مین کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اسکے عوارض انفرادی او مختصات شخصی و نوعی تمام، یا تقریبًا تمام حذف کر دیے جائین، اور اس مسئلہ کی صرف کلی یا عمومی حیثیت سے سروکار رکھا جائے، اسی کا نام فلسفہ ہے مثلاً اگر کوئی شخص زید کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھ کر ان سوالات پر غور کرے، کہ وہ کب

کھاتا ہے؟ کیا کھاتا ہے؟ کس طرح کھاتا ہے؟ وغیرہ تو اسکی فکر ایک عامیانہ غور سے زیادہ وقیع نہین۔ لیکن اگر وہ شخص زید کے عوارض ذاتی و مختصات شخصی کو نظر انداز کرکے صرف نوعی حیثیت سے اس مسئلہ کو لے، اور ان سوالات پر غور کرے، کہ انسان غذا کا طالب کیون ہوتا ہے؟ غذا کے اُسکے اوپر کیا اثرات ہوتے ہین؟ غذا کے بلحاظ اقسام، کیا کیا مدارج ہوتے ہین؟ تو اسے ایک سائیٹفک موضوع بحث سے تعبیر کیا جائیگا، اس لیے کہ گو ان سوالات مین مختصات شخصی بالکل فنا ہو گئے ہین، یعنی زید و عمر کی شخصیت سے اب کوئی بحث نہین رہی، تاہم مختصات نوعی اب بھی قائم ہین۔ لیکن اگر ان سے بھی قطع نظر کرلیا جائے، اور مسئلہ زیر بحث مین انتہائی تعمیم پیدا کردی جلئے، یعنی یہ سوالات پیش نظر رہ جائین، کہ خود بدل ماتحلل کی کیا حقیقت ہے؟ اور سائنس دان جو جو اسکے لازمی و ضروری ہونے پر زور دیتا ہے، تو خود "لزوم" اور "ضرورت" کا کیا مفہوم ہے؟ تو یہ سوالات بے شبہ فلسفہ کے تحت مین آجائینگے۔ .....

"تشریحات بالا سے معلوم ہوا ہوگا، کہ فلسفہ کا عنصر حقیقی، یا مایۂ خمیر جو کچھ ہے، وہ یہ ہے کہ وہ نظام موجودات عالم پر مجموعی و یکجائی حیثیت سے نظر کرتا ہے، اور اس لیے اس کا موضوع بحث وسیع ترین ہے ......

"مذاہب فلسفہ کا فرداً فرداً ذکر کرنے سے پیشتر یہ سمجھ لینا ضروری ہے، کہ وہ کون سا مسئلہ ہے، جسنے فلسفیون کے درمیان یہ ہنگامہ آرائی پیدا کر رکھی ہے؟

وہ کیا چیز ہے، جس کے متعلق حکمانے مختلف آلارا ہو کر جداگانہ مذاہب قائم کیے ہین؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہمین ایک مرتبہ پھر ماہیت فلسفہ کی جانب رجوع کرنا چاہیئے - یہ ہم بتا چکے ہین، کہ فلسفہ ان دو سوالات کا جواب دیتا ہے :-

(الف) عالم کلی و مجموعی حیثیت سے کیا ہے ؟

(ب) اسکی علت غائی کیا ہے ؟

لیکن مزید غور کے بعد معلوم ہوگا، کہ دوسرا سوال تحلیل ہو کر پہلے پر ٹھہرتا ہے، اور (ب) کا جواب (الف) کے جواب پر متفرع ہے - اس لیے کہ ہمین اپنی روزانہ زندگی مین اتنا بداہۃً نظر آتا ہے، کہ جب ہم کسی شے کے خواص پر بتمامہا احاطہ کر لیتے ہین، یعنی اسکی ترکیب و تشکیل کے متعلق نہایت تفصیلی علم حاصل ہو جاتا ہے، تو اسکی علت غائی تک ہم از خود پہونچ جاتے ہین - مثلاً، فرض کرو، کہ یہ کتاب جو ہمارے سامنے رکھی ہے، اگر اسکے متعلق اس قسم کے تمام معلومات حاصل ہو جائین، کہ یہ کس کی تصنیف ہے ؟ کس زبان مین ہے؟ کس موضوع پر ہے ؟ کتنی ضخامت ہے ؟ کیا پیرایۂ ادا ہے ؟ وغیرہ، تو ہم اس نتیجہ پر خواہ مخواہ پہونچ جائینگے، کہ اسکی تصنیف کی غرض و غایت کیا ہے؟ پس ایک فلسفی کے لیے ترکیب و تشکیل عالم کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے، کہ اسی کے اوپر علت غائی کا حل بھی متفرع ہے ؛؛

پس "عالم کی ترکیب کس عنصر حقیقی یا کن عناصر حقیقی سے ہوئی ہے"؟
یہی وہ سوال ہے جو فلاسفہ کے دائرۂ نظر کا ہمیشہ مرکزی نقطہ رہا ہے۔ ثنویت و وحدیت، مادیت اور روحانیت، تمام مذاہب فلسفہ اسی سوال کے مختلف جوابات ہین۔ ایک گروہ نے یہ خیال کیا کہ ساری کائنات مین صرف ایک وجود حقیقی کی جلوہ آرائیان ہین، اور پھر اس وجود حقیقی کی تعیین مین اختلاف شروع ہوا۔ بعض[1] نے کہا وہ روح ہے، اور بعض[2] نے کہا مادہ۔ دوسری جماعت اسکے برخلاف اس امر کی قائل ہوئی، کہ روح اور مادہ دونون مستقل ہستیان رکھتے ہین، اور کائنات ان کے تعامل کی تماشاگاہ ہے۔ فیثاغورس، دیمقراطس، افلاطون، و ارسطو، زینو، و اپیکورس، صدیون تک اسی استخوان بے مغز پر باہم جھگڑتے رہے، یہان تک کہ دقت نظر نے قدم آگے بڑھایا، اور متشککین نے بڑھکر مستیقنین کو ٹوکا، کہ آپ اب تک تمام تر چھت و محراب کے سوالات پر متوجہ رہے، لیکن اگر عمارت کی استواری مقصود ہے، تو پہلے بنیاد کار کی تو خبر لیجیے۔ یہ مسئلہ بعد کا ہے کہ وجود حقیقی کس شی کا ہے، پہلے اس کا تو تصفیہ فرمایئے، کہ انسان کے لیے کسی حقیقی شے کا علم، یا کوئی حقیقی علم، ممکن بھی ہے؟
اس سوال کا چھڑنا تھا، کہ لوگون کی توجہ الٰہیات کے دورازکار و لاحاصل

[1] یعنی روحانیین نے۔

[2] یعنی مادیئین نے

مسائل سے ہٹ کر علمیات کی جانب منعطف ہوگئی، اور اب حکیمانہ نکتہ سنجیون فلسفیانہ موشگافیون کا مرکز ثقل بجاے "وجود" کے "علم" قرار پاگیا۔ وہی دماغ جو اسرار "ہستی" کے سعی انکشاف مین مصروف تھے، اب حدودِ علم کی تعیین مین سرگرم تحقیقات ہوگئے، اور بجاے روح و مادہ کے وجود اور انکے باہمی تعلقات پر بحث کرنے کے فلاسفہ کے پیش نظر یہ مسئلہ رہ گیا، کہ نفوس انسانی کے لیے کس شے کا علم کس حد تک ممکن ہے؟

بعض افراد نے اس بحث مین بالکل منفیانہ پہلو اختیار کیا۔ انھون نے صاف لفظون مین اس امر کا اعتراف کیا، کہ انسان کے لیے کسی شی کا حقیقی علم ممکن نہین۔ یہ لوگ مشککین و لاادرئین کہلائے: پھر انھین مین سے کچھ لوگون نے تشکیک و لاادریت مین زیادہ غلو کرکے یہ کہا، کہ ہم اپنی لاعلمی و لاادریت تک کا دعویٰ نہین کرتے، کہ یہ منفیانہ دعویٰ بھی ایک طرح کا ادعا ہے، جو تشکیک محض و لاادریت مطلق کے منافی ہے۔ دوسرا گروہ جو انسان کے لیے امکان علم کا مدعی ہوا، گروہ مستیقنین کہلاتا ہے۔ ان لوگون کو سب سے پہلے یہ مہم سر کرنا پڑی، کہ علم کی ماہیت کیا ہے؟ اگر یہ مسلم ہے کہ ہمین حقایق اشیاء کا علم ہوسکتا ہے تو لامحالہ پہلے یہ بتانا پڑیگا، کہ خود علم کیا شی ہے؟ اب پھر اختلاف آرا کا سلسلہ شروع ہوا۔ بیکن، ڈیکارٹ، لاک، اور ایک جماعت کثیر نے کہا، کہ علم اشیاے موجود فی الخارج کا عکس ہے جو ہمارے اذہان مین مرتسم ہوتا ہے

دوسرے گروہ نے برکلی کی سرگردہی مین اسکی تردید کرتے ہوے کہا، کہ یہ ممکن ہی کیونکر ہے؟ علم تو ایک کیفیت ذہنی کا نام ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اشیاء خارجی (مادی) کا مماثل ہو؟ اس میدان پر مدتون ہنگامہ کارزار گرم رہا، لیکن بجز لاحاصلی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ یہان تک کہ امتداد زمانہ نے ان پرجوش مجاہدین کی آنکھین کھولین، اور اب انھین نظر آیا، کہ ماہیت علم پر ذرایع علم کی بحث مقدم ہے، اور اس مسئلہ پر غور و خوض کرنا کہ علم کی کنہ کیا ہے؟ ایک بے معنی مشغلہ ہے، تاوقتیکہ یہ نہ طے ہوجائے، کہ حصول علم کے ذرایع کیا ہین، یا یہ کہ ہمین علم حاصل کیونکر ہوتا ہے؟ بہ دیگر الفاظ، جب ہم کہتے ہین کہ ہمین فلان فلان چیزون کا علم حاصل ہے، تو ان کے اور ان کے ماسوا اشیاء کے درمیان مابہ الامتیاز کیا ہوتا ہے؟

تجربئین نے کہا، کہ ہمارے آلات علم، حواس ظاہری تک محدود ہین یعنی جو شے ہمارے تجربہ مین آتی ہے، یا جس شے پر ہمارے حواس ظاہری براہ راست یا بالواسطہ اپنا عمل کرتے ہین، اُسے ہم علم مین آنا کہتے ہین۔ بیکن، لاک، ہیوم، کومٹ، مل، وغیرہ کا یہی مذہب ہوا ہے۔۔ اسکے مقابلہ مین دوسری طرف عقلیئین کا گروہ، ڈیکارٹ، لائبنٹز، کینٹ، و ہیگل، کی سربراہی مین بولا، کہ علم کو تجربہ حسی کا مرادف قرار دینا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔؟ حواس سے تو صرف جزئیات کا علم ہوتا ہے۔ اولیات علم

ادرکلیات کے ادراک کے لیے بجز کسی ایسی قوت کے تسلیم کیئے چارہ نہین،
جو حواس ظاہری سے برتر وارفع ہے۔ ہم یہ بے شبہ اپنے حواس کے ذریعہ سے
محسوس کرتے ہین، کہ فلان جزو اپنے کل سے چھوٹا ہے، لیکن اس عام کلیہ
تک، بلا کسی ما فوق الحواس قوت کی وساطت کے، ہم کیونکر پہونچ سکتے ہین کہ
ہر جزو اپنے کل سے چھوٹا ہوتا ہے ؟

غرض قیاس آفرینون نے اس مسئلہ کو بھی اپنی طبع آزمائیون کا آماجگاہ
بنانا شروع کردیا، لیکن درحقیقت اب یہ معاملہ ان کے بس کا نہ تھا۔ اسوقت
تک فلسفہ ہر قسم کی کج احتمالیون کا متحمل وکفیل تھا، لیکن اب صورت حال
تبدیل ہوگئی، اور اس مسئلہ کی پیدائش نے فلسفہ کی تاریخ مین ایک بالکل
جدید باب شروع کردیا، یہ مسئلہ کہ انسان کو علم کیونکر ہوتا ہے، درصل خالص
نفسیات کا مسئلہ ہے، جو فلسفہ کے دسترس سے باہر ہے، جس کے حل
کرنے مین الٰہیات وعلمیات کو کوئی دخل نہین، اور جسکی تحقیقات اسی اصول پر
ہونا چاہیئے جس پر نفسیات کے دیگر مسائل کی ہوتی ہے۔ یہ بے شبہ صحیح
ہے، کہ نفسیات کی بھی کوئی تحقیقات قطعی ومختتم نہین ہوتی، تاہم اس واقعہ
سے شاید کسی واقفکار کو انکار کی جرأت نہو، کہ صنائف سائنس کی طرح،
نفسیات کے فیصلے نسبتًا بہت زیادہ صحیح اور یقینی ہوتے ہین، اور ایسا ہونا
بلاسبب نہین۔ اس لیے کہ نفسیات کے نتائج وقوانین کی روزمرہ کے

مشاہدہ وتجربہ سے تصدیق یا تکذیب ہوسکتی ہے، بہ خلاف فلسفہ کے، کہ اسکے نظریات تمام تر قیاسی ونظری ہوتے ہین، اور تجربہ ومشاہدہ انکی تصدیق اور تکذیب دونون مین بےبس ہوتا ہے۔ پھر آخر اس مسئلہ خاص کے متعلق نفسیات کی معدلت گاہ سے کیا فیصلہ صادر ہوا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابھی تک کچھ نہین۔ ابھی یہ مسئلہ زیر بحث ہے، شہادتین گذر رہی ہین، مختلف بیانات پر جرح وقدح ہو رہی ہے، اور ہنوز کوئی قطعی فیصلہ نہین صادر ہوا ہے لیکن مسئلہ کی بے انتہا اہمیت پر نظر کرتے ہوئے یہ تاخیر نہ حیرت انگیز ہے اور نہ قابل افسوس۔ اسقدر عظیم الشان مسئلہ جس پر فلسفہ کی ساری عمارت کی بنیاد ہے، اگر عجلت کے ساتھ سرسری طور پر فیصل کردیا جائے، تو پھر غور وتامل کے ساتھ فیصلہ کیئے جانے کے لیئے کون سے مسائل باقی رہجا ئینگے؟ چند سال یا چند صدیون کا کیا ذکر ہے، اگر ہزارہا سال کے بعد بھی اس مسئلہ کا کوئی قابل طمنیان حل ہوسکے، تو یہ عقل انسانی کا اسقدر روشن وعظیم کارنامہ ہوگا، جسکے سامنے اسکے تمام پچھلے کارنامے بےحقیقت ہوجائینگے۔ غرض یہ کہ، اگرچہ ہنوز اس مسئلہ کا کوئی قطعی فیصلہ نہین ہوسکا ہی، تاہم کم ازکم اتنا تو مسلّم ہوگیا ہی، کہ یہ فیصلہ بالآخر نفسیات کی وساطت سے ہوگا۔ اور سچے طالبان علم کی اسقدر واقفیت بھی کچھ کم لایق ستایش وقابل مبارکباد نہین۔ منزل مقصود گو ابھی بہت دور ہے، لیکن راستہ تو متعین ہوگیا ہے، اور اسکی قدر ومسرت کوئی اُس مسافر کے دل سے

پوچھے، جسکی ایک عمر صرف تلاش جہت مین برباد ہو چکی ہو۔

(۴)

سہولت تفہیم کی غرض سے، ہم نے مباحث گذشتہ کو مختلف فصول مین تقسیم کر دیا تھا، اب آؤ خاتمہ پر ایک بار پھر ان کے خلاصۂ بیان کو پیش نظر کر لین۔

پہلی فصل مین ہم نے یہ سوال پیش کیا، کہ انسان کے لیے سب سے ضروری و مفید کون علم ہے؟ اور پھر معیشت کامل کی تحلیل کر کے یہ جواب دیا، کہ اس کے جتنے عناصر و شعبہ جات ہین، اُن سب کے لیے نفسیات کی تحصیل لازمی ہے۔

دوسری فصل مین ہم نے متعدد شواہد و تمثیلات کی مدد سے یہ نکتہ سمجھایا، کہ دنیا مین ابتک جتنے کامیاب اشخاص گذرے ہین، خواہ وہ کسی فن، کسی پیشہ، کسی صیغہ سے تعلق رکھتے ہون، ان کی کامیابی کا راز، انکی نفسیات دانی مین مضمر رہا ہے۔

تیسری فصل کے مخاطب حکیمانہ مذاق کے وہ چند افراد ہین، جو کسی علم پر اسکے افادۂ مادی کے لحاظ سے نظر نہین کرتے، بلکہ اُسکی وقعت کو صرف اس معیار پر جانچتے ہین، کہ اس سے رازِ ہستی کے انکشاف مین

کہان تک مددلیگی۔ ایسے لوگون کو تاریخ فلسفہ کی مدد سے یہ دکھا دیا گیا، کہ الٰہیات کے مباحث متفرع ہین علمیات پر، اور پھر علمیات کے مباحث تحلیل ہو کر ٹھہرتے ہین نفسیات پر۔ پس اگر خالص فلسفیانہ تلاش حقیقت مقصود ہے، تو بھی سوا اسکے چارہ نہین کہ نفسیات کو شمع راہ بنایا جائے۔

کسقدر افسوس و غیرت کا مقام ہے، کہ اُردو زبان، جسے اپنی وسعت و تموّل پر اسقدر ناز ہے، اُسمین ایسے ضروری، مفید، و دلچسپ علم کے متعلق ایک سطر بھی نہ موجود ہو۔ یہ خیال مُدت سے مجھے تکلیف دے رہا تھا، اور پورا ارادہ تھا، کہ اُردو مین علم النفس کے (کم ازکم) مہمات مسائل جلد سے جلد آجائین لیکن جیسا کہ دیباچہ سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا، میری صحت نے اس پوری اسکیم کو قوت سے فعل مین لانے کی سردست اجازت نہ دی۔ جو کچھ ہوسکا، وہ حاضر ہے۔ البتہ اگر حالات نے مساعدت کی، اور زندگی کے ساتھ صحت نے بھی رفاقت کی، تو نفسیات کے دوسرے مباحث، جو تعلیمات، اخلاقیات، وغیرہ کے لیے زیادہ مفید ہین، عنقریب پیش کیے جائینگے۔

نفس کی تشریح و تعریف

یہ امر بداہتہً نظر آتا ہے، کہ نفس انسانی کی کبھی ایک ہی حالت نہین رہتی، بلکہ اس مین ہر لحظہ تغیر ہوا کرتا ہے۔ ابھی ہم ہنس ہنس کر گفتگو کر رہے تھے، کہ دفعتہً کوئی خلاف مزاج واقعہ پیش آیا، اور ہمین بجاے ہنسی کے غصہ آگیا، ذرا دیر کے بعد کسی غمناک حادثہ کی اطلاع ملی، اور اب ہم پر یاس و افسردگی کے جذبات طاری ہو گئے۔ کچھ دیر مین یہ حالت بھی جاتی رہی، اور ہم غم و مسرت کے جذبات سے آزاد ہو کر کسی گذشتہ واقعہ کی یاد مین ہمہ تن محو ہو گئے۔ اتنے مین سامنے سے ایک شے ہمکو اپنی جانب بڑھتی نظر آئی، جو فاصلہ کی وجہ سے صاف نہین دکھائی دیتی، اب نہ ہم غضبناک ہین نہ مغموم نہ مسرور، اور نہ اپنے حافظہ پر زور دے رہے ہین، بلکہ اس وقت تمامتر اس شے کے شناخت کرنے پر متوجہ و مصروف ہین۔ غرض اسی طرح

ذہن پر بیشمار مختلف حالتین طاری ہوتی رہتی ہین۔ ان کیفیات نفسی کی تحلیل و تشریح، اوران کے قوانین و اصول کی تدوین، **نفسیات** کا موضوع ہے نفسیات کے دوسرے نام علم النفس اور ذہنیات بھی ہین۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کیفیات نفسی گو فرداً فرداً حد شمار سے خارج ہون، لیکن نوعی حیثیت سے ہم انھین عنوانات ذیل کے تحت مین رکھ سکتے ہین:—

(۱) اولاً، نفس انسانی کی وہ حالت جسمین غم و نشاط سے قطع نظر کرکے ہمین کسی شے کا مطلق علم حاصل ہوتا ہو، مثلاً ریاضی کا کوئی سوال اگر بجاے ایک قاعدہ کے دوسرے سے حل ہو، تو اس سے ہماری ذات کے متعلق، کسی نفع و ضرر، سود و زیان، یا راحت و اذیت مین کوئی اضافہ نہین ہوا، بلکہ اس سے صرف ہماری قوت عقل متاثر ہوئی، یا مثلاً ہمارے سامنے دو رنگین چیزین رکھی ہوئی ہین، اور ہم نے انھین دیکھکر یہ حکم لگایا، کہ ان مین سے ایک سرخ ہے، دوسری سبز، تو اس موقع پر بھی ہمین کوئی انقباض یا انبساط نہین ہوا، بلکہ ہم نے محض امتیاز سے کام لیا۔ اس قسم کی کیفیات کو، جن مین محض قواے عقلی متاثر ہون، کیفیات وقوفی یا محض **وقوف** کہتے ہین۔

(۲) دوسرے طبقہ مین وہ کیفیات نفسی ہین، جن مین علم و

ادراک کے ساتھ وجدان پر بھی اثر پڑتا ہے، یعنی ہم ایک خوشگوار یا ناگوار اثر سے بھی متکیف ہوتے ہین۔ مثلاً اپنے کسی دوست کی خبر وفات سُننے سے ہمین ایک واقعہ کا ادراک ہی نہین ہوتا، بلکہ اسی کے ساتھ ہم ایک سخت صدمہ بھی محسوس کرتے ہین۔ یا مثلاً کسی خونخوار درندہ کو اپنی طرف جھپٹتا دیکھکر انسان کو ایک امر کا محض علم ہی نہین ہوتا، بلکہ ساتھ ہی اُس پر دہشت بھی طاری ہوجاتی ہے۔ اس نوعیت کے تمام تغیرات ذہنی جن مین وجدان متاثر ہوتا ہے، مثلاً غم، غصہ، حیرت، مسرت، محبت، دہشت، حسد، وغیرہ کو کیفیات احساسی یا خالی احساس کہتے ہین۔

(۳) تیسری قسم کے زیرعنوان وہ کیفیات نفسی رکھے جاسکتے ہین، جن مین انسان تاثیرات خارجی سے متاثر ہونے کے بجاے خود اپنا اثر دوسرون پر ڈالتا ہے، مثلاً ہمارا اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، بولنا، لکھنا، وغیرہ تمام حرکات بالقصد۔ ان کو کیفیات ارادی یا صرف ارادہ کہتے ہین۔

نفس کی ان مجموعی کیفیات کا نام شعور[۱] ہے۔

---

[۱] کیفیات نفسی اور کیفیات شعوری گو اکثر حیثیات سے مرادف ہین، تاہم ان مین ایک نازک فرق یہ ہی، کہ گو ہر کیفیت شاعرہ کے لیے کیفیت نفسی ہونا ضروری ہے، لیکن ہر کیفیت نفسی کا کیفیت شاعرہ ہونا ضروری نہین۔ مثلاً کسی ایک مسئلہ پر غور کرتے ہوے جب ہم از خود دوسرے مسائل تک پہونچ جاتے ہین، تو اگرچہ یہ درمیانی کڑیان بداہتہً کیفیات نفسی ہوتی ہین، لیکن ہمارے شعور مین نہین آتین۔

کیفیات شاعرہ کی تشریح ایک دوسرے پیرایہ مین یون بھی کی جاسکتی ہے کہ جس طرح حیات اُس تناسب خاص کا نام ہے جو ایک جسم عضوی اور اسکے ماحول کے درمیان پایا جاتا ہے، اسی طرح شعور، اُس سلسلۂ تغیرات کا نام ہے جو نفس اور اسکے ماحول کے درمیان ایک دوسرے کے اعمال کی مطابقت مین واقع ہوتے ہین۔ یعنی نفس اور ماحول مین ہمیشہ باہمی تاثیر و تاثر، فعل و انفعال کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اور اسی کا نام تاوقتیکہ انسان اُس پر مُطلع ہوتا رہے، شعور ہے۔ اس تعامل کی دو صورتین ہین: ایک یہ کہ نفس بطور مُوثر کے اپنا اثر ماحول پر ڈالے، دوسرے یہ کہ بطور موثر کے ماحول سے خود اثر قبول کرے۔ ترتیباً دوسرا جز پہلے پر مقدم ہے یعنی ذہن کی بالکل ابتدائی حالت اسکی انفعالی حالت ہوتی ہے، اور زمانی حیثیت سے اسکی فاعلی حالت ہمیشہ اس سے موخر ہوتی ہے نفس کی اسی انفعالیت کو، جسمین وہ غم و مسرت کے انواع و اصناف سے متاثر ہوتا ہے، احساس، اور اسکی فاعلیت کو جس مین وہ دوسرون پر موثر ہوتا ہے، ارادہ کہتے ہین۔ اس بنا پر ظاہر ہے، کہ ارادہ، احساس پر مشروط ہوتا ہے، اور اگر ہمین کسی قسم کا احساس نہ ہو، تو ہم کوئی ارادہ بھی نہ کرسکین لیکن انسانی ارادہ کو وجود مین لانے کے لیے محض احساس کافی نہین، بلکہ اسکے ساتھ احساس کا علم، اسکی مختلف صورتون کا امتیاز، وغیرہ اور کئی چیزین بھی پائی جاتی ہین، جن کے لیے نفس کی ایک جداگانہ نوعی کیفیت کا وجود لازمی ہے، اور اسی کا نام وقوف ہے؛ تو گویا وقوف اس کیفیت شعوری کا

نام ہے، جو نفس کی فاعلیت و انفعالیت کے درمیان ایک رابطہ کا
کام دیتی ہے -

بعض علما نفسیات کا، گذشتہ بیانات کے کسی قدر مخالف، یہ نظریہ ہے،
کہ ذہن کی حالت انفعالیت مین وقوف، احساس پر مشروط اور اس سے مؤخر
نہین، بلکہ اسکی شرط، اور اُس پر مقدم ہے۔ ان حکما کے نزدیک فعلیت ماحول کا
سب سے پہلا اثر انسان پر یہ پڑتا ہے کہ اس کو کسی قسم کا علم یا ادراک ہوتا ہے،
پھر اس علم سے وہ احساسًا متاثر ہوتا ہے، اسکے بعد وہ اس احساس کو
قائم رکھنے یا دفع کرنے کا قصد کرتا ہے، اور یہ ارادہ ہے - یہ رائے،
جدول ذیل کی مدد سے بآسانی ذہن نشین ہوسکیگی -

ماحول

انفعالیت ذہن

(۱) کسی شے کا علم یا ادراک حاصل ہوتا ہے
= وقوف

(۲) اس سے انقباض یا انبساط پیدا ہوتا ہے
= احساس

نفس

(۳) بطور نتیجہ کے ارادہ مین تحریک ہوتی ہے
= ارادہ

فعلیت ذہن

یہان یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہیئے، کہ نفس کی یہ تحلیل صحیح معنی مین تفریق ہے، تقسیم نہین۔ یعنی اس تجربہ کا مقصد محض مسائل نفسی کی تحقیق مین سہولت پیدا کرنا ہے ورنہ فی الحقیقت کوئی کیفیت نفسی، منفرد اور دوسری کیفیات سے بالکل علیحدہ نہین ہوتی۔ مثلاً واقعہ کی رو سے ایسی کوئی کیفیت وقوفی نہین، جو خالص وقوفی ہو، بلکہ ہر ایک مین احساس کا خفیف سا شائبہ ضرور شامل ہوتا ہے، مگر بعض حالتون مین یہ جزو اسقدر خفیف ہوتا ہے، کہ ہم بلا تامل اسے عملاً نظرانداز کر سکتے ہین۔ اسی طرح احساسی کیفیت بھی کوئی ایسی نہین، جس مین وقوف و ادراک کی کچھ نہ کچھ آمیزش نہ ہو، مگر جس مین یہ جزو قلیل ترین ہوتا ہے، اُسے ہم مسائل نفسیاتی کی ضروریات کے لحاظ سے خالی احساس کہتے ہین۔ پس وقوف، و احساس، و ارادہ کی کیفیات ثلثہ اجزاے ذہن نہین، بلکہ مفردات ذہن ہین۔

منطقی حیثیت سے کسی شے کی تعریف کے یہ معنی ہوتے ہین، کہ ایک مجہول ہستی کو معروف ہستی، اور عام کو عام تر کلیہ کے واسطے سے روشناس کیا جائے، لیکن جو شے خود ہی معروف ہوتی ہے، اور اعم الاعمات کا درجہ رکھتی ہے، اسکی تعریف ممکن نہین۔ اُسے قارئین کے ذہن نشین کرنے کا صرف یہ طریقہ ہے کہ اسکے افعال و خواص کا استقصاء کر دیا جائے۔ ذہن یا نفس بھی منجملہ اُنھی معروف و اعم اشیاء کے ہے۔ اسکی ماہیت کے ذہن نشین کرانے کی بھی ایک صورت تھی جو اوپر اختیار کی گئی، یعنی یہ بتا دیا گیا کہ وہ فلان فلان کیفیات کا ایک مرکب ہے۔ تاہم اگر ایک کلیہ کی صورت مین اسکی

تقریبی تعریف وضع کرنا چاہین، تو یون کہہ سکتے ہین کہ نفس اس غیر مادی ہستی یا کیفیت کا نام ہے، جسکے مظاہر معلومہ (تصور، تخیل، ادراک، غم، مسرت، وغیرہ) ہماری زندگی، یا کم از کم بیداری کی حالت مین ہر وقت ہمارے تجربہ مین آیا کرتے ہین۔

شعور کی ان عناصر ثلثہ مین تحلیل عام علما نفسیات کے مذاق کے موافق تھی لیکن ایک قلیل التعداد جماعت (اور اسی جماعت مین ہکسلی بھی ہے) اسکے برخلاف یہ دعویٰ کرتی ہے، کہ مفردات شعور صرف دو ہین، وقوف، اور احساس ارادہ، کوئی ذہن کا مستقل عنصر نہین، بلکہ انھین دونون کیفیات سے مرکب ہوتا ہے۔ یہ گروہ مدعی ہے، کہ ہم ہر ارادہ کی تحلیل، کیفیات وقوفی اور حساسی مین کر سکتے ہین، اس لیے اسکو مثل وقوف و احساس کے کوئی مستقل عنصر ذہنی قرار دینا صحیح نہین۔ فرض کرو کہ سامنے دروازہ بند ہے، ہم نے اسے کھول دیا۔ اسے ہر شخص فعل ارادی سے تعبیر کریگا، مگر غور کرو، تو معلوم ہوگا، کہ یہ فعل تین مفرد اعمال کا مجموعہ ہے؛ ایک دروازہ کے کھولنے کا تصور؛ دوسرے، اسکی خواہش؛ تیسرے، ایک خاص منتظم جسمانی حرکت۔ ان مین سے آخرالذکر کا ایک خالص جسمانی کیفیت ہونا ظاہر ہے، اور یہ بھی علی ہذا ظاہر ہے کہ پہلی ہر دو کیفیات، علی الترتیب، وقوفی اور احساسی کیفیات ہین۔

باب (۲)
نفس کا مستقر، نظام عصبی

اس حقیقت سے شاید کوئی شخص ناواقف نہ ہو، کہ انسان پر روزانہ زندگی مین جتنی کیفیات طاری ہوتی ہین، اُن مین سے ہر ایک کے لیے اسکے جسم کا ایک عضو، یا چند اعضا مخصوص ہوتے ہین، مثلاً ابصارت کے لیے آنکھ، سماعت کے لیے کان، ہضم کے لیئے معدہ، وغیرہ۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہونا بالکل قدرتی ہے، کہ نفس کے لیے کون سا حصۂ جسم مخصوص ہے؟ لیکن اس سوال کا جواب ایک دوسرے سوال پر موقوف ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم کس بنا پر کسی کیفیت کا انتساب کسی خاص عضو کے ساتھ کرتے ہین؟ اسکا صحیح جواب یہ ہے کہ ہر غیر مادی کیفیت کے طاری ہوتے وقت ہم کسی خاص عضو کی ساخت یا اسکی عام حالت مین کوئی ناگوار یا خوشگوار تغیر محسوس کرتے ہین، اور اسی حساس تغیر کی بنا پر ہم اس عضو کو اس کیفیت کا آلہ یا مستقر قرار دیتے ہین۔ جب ہم سانس

روکنا چاہتے ہین، تو سینہ مین ایک طرحکی گرفتگی و درد محسوس کرتے ہین اسیلیے
اسکو آلۂ تنفس سے موسوم کرتے ہین۔ سوء ہضم کی حالت مین معدہ اور آنت
مین درد یا نفخ ہوتا ہے، اسی لیے انھین آلات ہضم سے تعبیر کرتے ہین ہیجان
شہوت کے وقت اعضاے تناسل مین ایک خاص طرح کا تغیر پاتے ہین، اسی لیے
انھین آلۂ شہوت رانی قرار دیتے ہین۔ پس انھین تمثیلات کے مطابق، جب ہم
کسی ریاضت ذہنی کے بعد دماغ مین درد یا تھکن محسوس کرتے ہین، تو کوئی
وجہ نہین کہ دماغ کو آلۂ ذہن نہ تسلیم کیا جائے۔ پھر یہ بھی آئے دن کا مشاہدہ
ہے کہ جب دماغ مین کسی مرض یا ضرب کے باعث نقص یا فتور آجاتا ہے، تو
اعمال ذہنی مین بھی ضرور اختلال واقع ہو جاتا ہے۔ یہی وجوہ ہین جنکی بنا پر ایک
عامی شخص بھی دماغ کو نفس کا آلہ یا مستقر سمجھتا ہے۔ سائنس نے اس نتیجہ کی
صحت کو نہ صرف تسلیم کیا، بلکہ اس دعوے پر حسب ذیل دلائل بھی قائم کیے۔

(۱) ریاضت ذہنی اور دماغ کی حرارت غریزی مین تناسب

جب ہم کوئی سخت ریاضت ذہنی کرتے ہین، تو دماغ کی حرارت غریزی بہت بڑھ
جاتی ہے، اور جب ہمارا نفس تقریباً معطل ہوتا ہے، تو گھٹ جاتی ہے۔

(۲) ریاضت ذہنی اور دماغ کے اجزاے فاسدہ کے اخراج مین تناسب۔ ریاضت ذہنی کے بعد پیشاب وغیرہ کے ذریعہ
سے جو مادہ فاسد خارج ہوتا ہے، اُس مین بڑی مقدار اُن چیزون کی ہوتی ہے

جن سے مغز کی ترکیب ہوئی ہے، مثلاً فاسفورس۔

(۳) قوت ذہنی اور دماغ کے دوران خون مین تناسب۔

دماغ مین دوران خون اگر اعتدال کے ساتھ جاری ہے، تو قوائے ذہنی بھی صحیح حالت مین ہین۔ لیکن اگر اُس مین افراط یا تفریط ہو جاتی ہے، تو انسان کے حواس بھی مختل ہو جاتے ہین۔ کبھی وہ بیہوش ہو جاتا ہے، کبھی ہذیان بکنے لگتا ہے، وغیرہ

(۴) قوت ذہنی اور وزن و تلافیق دماغ مین تناسب۔

مغز کا وزن اور اسکی بلندیان (جنھین اصطلاح مین تلافیق کہتے ہین) جس شخص مین جسقدر زیادہ ہوتی ہین، اُسی نسبت سے اُسکی قوت ذہنی بڑھی ہوئی ہوتی ہی، اور جتنی اُن مین کمی ہوتی ہے، اُسی قدر وہ عقل و شعور مین پست ہوتا ہے۔

(۵) اختبارات جرّاحی،

سب سے زیادہ قطعی الدلالۃ وہ اختبارات ہین، جن سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اعمال جراحی کی وساطت سے جب دماغ کے بعض اجزا نکال لیے جاتے ہین، تو گو انسان زندہ رہتا ہے، مگر اسکے قوائے ذہنی بالکل فنا ہو جاتے ہین[۱]۔

---

[۱] ناظرین کو خیال رکھنا چاہیے کہ ان شواہد مین ہر جگہ دماغ اور اسکے متلازم واقعات کے درمیان ایسا تعلق مراد ہی، جو دماغ کے ساتھ مخصوص ہی، اور جسمین کوئی اور حصہ جسم شریک نہین۔ مثلاً کسی اور عضو کے نکال ڈالنے سے یہ نہ ہوگا، کہ انسان زندہ رہے، مگر اسکے قوائے ذہنی فنا ہو جائین یہ نتیجہ صرف دماغ کے نکال ڈالنے کے ساتھ مخصوص ہے۔

دماغ کے آلۂ ذہن ہونے پر اور بھی متعدد شواہد موجود ہین، مگر ہم یہان انھی دلائل خمسہ پر اکتفا کرتے ہین ۔

دماغ بجاے خود ایک مرکب پیچیدہ عضو ہے، جو متعدد حصون پر منقسم ہے، اور ہر حصہ علیحدہ علیحدہ اپنے مختلف فرائض انجام دیتا ہے ۔ ان اجزا کی مختصر تشریح مع انکے وظائف کے ضروری تفصیل کے درج ذیل ہی[1]۔

وزن او رحجامت نیز نفسیاتی اہمیت کے لحاظ سے، دماغ کا جزو عظم مخ ہے ۔ یہ جوف دماغ کے اگلے اور درمیانی حصون مین رہتا ہے ۔ اسکی شکل بیضوی ہوتی ہے، اور اسکی سطح سامنے کی بنسبت پیچھے کی طرف چوڑی اور محدب ہوتی ہے ۔ یہ طول مین دو نصف دائرون کی شکل مین منقسم رہتا ہے، جو اسکے دائین بائین ٹکڑے کہلاتے ہین، اور ان کو ایک موٹی جھلی چارون طرف سے ڈھکے رہتی ہے مخ کی سطح ہموار نہین ہوتی، بلکہ اسمین بہت سے نشیب و فراز پائے جاتے ہین ۔ ان بلندیون کو اصطلاح مین تلافیق مخ کہتے ہین ۔ اسکے مغز کے بیرونی حصہ مین خاکستری رنگ کا مادہ ہوتا ہے، اور اندرونی مین

---

[1] اس باب کے ساتھ ناظرین کو چاہیئے کہ تشریح و عضویات کی کتابون کو ضرور پیش نظر رکھین، خصوصاً اُن کتابون کو جن مین دماغ اور عام نظام عصبی کی تصاویر درج ہین ۔ اُردو مین اس طرح کے متعدد رسالے موجود ہین، لیکن مین نہین کہہ سکتا کہ وہ عام اُردو دان پبلک کے لیے کہان تک قابل فہم ہون گے ۔ اس سلسلہ مین بہ حیثیت مجموعی جو بہترین کتاب میری نظر سے گذری ہے، وہ شمس الاطبا ڈاکٹر غلام جیلانی (لاہور) کی "مخزن حکمت" ہے ۔

سفید رنگ کا۔ اعمال شعوری تمام تر مخ سے متعلق ہوتے ہین، چنانچہ حیوانات پر عمل جراحی کرکے جب اُن کا مخ باہر نکال لیا جاتا ہے، تو گو وہ زندہ رہتے اور بدستور سانس لیتے اور کھاتے پیتے رہتے ہین، لیکن ان کی زندگی مثل بے جان مشین کے رہجاتی ہے، اور وقوف، ارادہ، واحساس، تمام علامات حیات شاعرہ اُن سے بالکل مفقود ہو جاتے ہین ۔

قواے ذہنی کا خاص تعلق، جسامت مخ سے اتنا نہین جتنا کہ تلافیق مخ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ مشاہیر عقلاے عصر کے دماغ کا، جب انکی وفات کے بعد معائنہ کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ ان کے مغز کی سطح پر نہایت کثرت سے بلندیان تھین۔ بخلاف اسکے جو لوگ احمق یا مجنون ہوتے ہین، اُن کے مغز مین انکی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے۔

مخ سے متصل اور اس سے کسی قدر نیچے ہٹا ہوا کھوپری کے پچھلے حصہ مین مغز کا جو جزو ہوتا ہے، وہ مخیخ کہلاتا ہے۔ یہ گُدی کی ہڈی کے جوف مین ہتا ہے، اور ایک نلی کے ذریعہ سے مخ سے ملا رہتا ہے۔ اسکی ترکیب مین بھی باہر خاکستری اور اندر سفید مادہ شامل رہتا ہے۔ اسکی سطح پر بلندیان نہین ہوتین، بلکہ آڑی آڑی شکنین پڑی ہوتی ہین۔ اس کا وزن کل دماغ کا تقریباً ⅛ ہوتا ہے۔

عورتون کے مخیخ کا وزن انکے مخ کے تناسب سے، بمقابلہ مردون کے زیادہ ہوتا ہے چنانچہ مردون مین مخیخ و مخ کی نسبت ۱ اور ۷،۸۱، کی، اور

عورتون مین ۱ اور ۸ کی ہوتی ہے۔ مخیخ کا خاص وظیفہ، حرکات ارادی مین نظم وربط پیدا کرنا ہے، چنانچہ چلنے، دوڑنے، تیرنے، ناچنے، اور ورزش کرنے مین انسان جو منتظم و مرتب حرکات کرتا ہے، وہ تمام تر اسی کے تابع ہین۔ انسان کے دماغ سے یہ حصہ اگر نکال لیا جائے، تو اسکے حواس و ذہن پر غالبًا مطلق اثر نہ پڑے، لیکن چلتے وقت اسکے پیرون کو لغزش ہوگی، اور وہ چہل قدمی پر قادر نہ ہوسکے گا۔

اس سلسلہ مین یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی حرکت ارادی براہ راست مخیخ کے تابع نہین ہوتی، بلکہ اسکی ابتدا ہمیشہ مخ سے ہوتی ہے۔ مثلاً اگر ہم کسی کے طمانچہ لگانا چاہین، تو اس فعل کی خواہش کی ابتدا مخ سے ہوگی، لیکن اسکے بعد ایک خاص نہج سے ہاتھ مین جنبش ہونا، کفدست اور انگلیون کا تن جانا، ان کا بلند ہونا، پھر قوت کے ساتھ شخص مضروب کے چہرہ پر جا لگنا، وغیرہ، ان سب حرکات کا انتظام و ارتباط، مخیخ کا کام ہے۔

دماغ کے تیسرے حصے کا اصطلاحی نام اسکی ساخت کی مناسبت سے نخاع مستطیل ہے۔ اسکا طول صرف ۱½ انچہ ہوتا ہے۔ یہ مخیخ سے نیچے واقع ہے، اور دماغ کو حرام مغز سے، جسکا ذکر آگے آتا ہے، ملاتا ہے۔ یہ اعصاب کا بہت بڑا امر کز ہے۔ اسی لیے اسکا وجود بقاے حیات کے لیے لازمی ہے یہ اگر نکال لیا جائے، یا اسے کوئی سخت صدمہ پہونچ جائے، تو انسان ایک لمحہ

نہین زندہ رہ سکتا۔ اسکی ترکیب مین، مخ و مخیخ کے برخلاف، اندر کی جانب خاکستری اور باہر کی طرف سفید مادہ ہوتا ہے۔ اسکے وظائف طبعی کا بیان، حرام مغز کے ذیل مین آتا ہے۔ یہان اتنا بتا دینا کافی ہے، کہ حرکت قلب، ہضم، اور تنفس سے متعلق اعمال قسری اسی کے ماتحت ہین۔

چوتھے حصۂ دماغ کو، اسکی شکل کے لحاظ سے جسر فردلیوس یا پل دماغ کہتے ہین۔ یہ دماغ کے باقی حصون کو باہم اور پھر انھین حرام مغز سے ملاتا ہے۔ اسکے ریشے عموماً سفید رنگ کے ہوتے ہین، جو خاکستری مادہ کے ساتھ مخلوط رہتے ہین۔ انمین سے بعض جانبی (آڑے) ہوتے ہین، اور بعض عمودی (کھڑے)۔ اسکے وظائف طبعی کی ابھی کافی تحقیقات نہین ہو چکی ہے۔

ان چار کے علاوہ، تشریحی حیثیت سے دماغ کے اور حصہ بھی ہین، مگر وہ نفسیاتی حیثیت سے کوئی اہمیت نہین رکھتے، اس لیے انکا ذکر قلم انداز کیا جاتا ہے۔

دماغ کی ہیئت مجموعی سے متعلق مندرجہ ذیل معلومات غالبًا مزید دلچسپی کا باعث ہون :-

مغز کا پورا رقبہ تہ بہ تہ تین غلافون سے ڈھکا رہتا ہے۔ سب سے اوپر والا غلاف جو دبیز و سخت ہوتا ہے، غشائے صلب کہلاتا ہے۔ یہ غلاف کھوپڑی کی ہڈیون کے اندرونی سطح کو استر کرتا ہے، اور گدی کی ہڈی کے سوراخ

کے برابر نخاع کے بالائی غلاف سے ملا رہتا ہے، اس پردہ کی ایک شاخ بڑے دماغ (یعنی مخ) کے دونون نصف کرون کے درمیان رہتی ہے، ایک شاخ چھوٹے دماغ (یعنی مخیخ) کے ہر دو حصون کے درمیان، اور ایک شاخ بڑے اور چھوٹے دماغ کے درمیان۔ دوسرا غلاف جسکو غشائے عنکبوتیہ کہتے ہین، نازک اور مکڑی کے جالے کی طرح ہوتا ہے۔ یہ پردہ دماغ کے اوپر کی طرف پتلا اور شفاف لیکن دماغ کے پیندے پر موٹا اور دھندلا ہو جاتا ہے۔ اس پردہ اور اسکے نیچے والے پردہ کے درمیان دو مقامات پر کچھ فاصلہ ہوتا ہے، جسکے درمیان ایک شفاف رقیق رطوبت بھری رہتی ہے جو دماغ کو ڈر گر وصدمہ سے محفوظ رکھتی ہے۔ دماغ کا تیسرا غلاف جسکو غشائے لین کہتے ہین، دماغ کے نشیب و فراز کو استر کرتا ہے۔ چونکہ اسمین خون کی رگون کا جال ہوتا ہے، جس سے دماغ کی پرورش ہوتی ہے، اس لیے اسکو اُمّ الدماغ بھی کہتے ہین[1]۔

انسانی دماغ کا نشو و نما چالیس سال کی عمر مین تکمیل کو پہونچ جاتا ہے، جسکے بعد بعض علمائے عضویات کی رائے ہے، اسکے وزن مین انحطاط ہونے لگتا ہے۔ ثبات عقل کی حالت مین ابتک جتنے دماغون کا وزن کیا گیا، اُن مین مرد کے سب سے بھاری دماغ کا وزن ۹۶ء۷۰ اونس، اور سب سے ہلکے کا ۳۴ اونس ثابت ہوا ہے، لیکن بحساب اوسط مرد کے دماغ کا وزن

---

[1] "مخزن حکمت"، مرتبہ شمس الاطبا ڈاکٹر غلام جیلانی، صفحہ ۳۸، بہ تغیر خفیف۔

۴۹ ½ اونس ہے۔ عورت کا سب سے بھاری دماغ ابتک ½ ۶۱ اونس اور سب سے ہلکا ۳۱ اونس نکلا ہے، لیکن بحساب اوسط عورت کے دماغ کا وزن ۴۴ اونس ہے۔

دماغ کا یہ کسی قدر تفصیلی بیان یہان اس حیثیت سے کیا گیا، کہ وہ ایک آلۂ ذہنی ہے۔ لیکن مزید غور کے بعد معلوم ہوگا کہ گو دماغ نفس کا ایک اہم آلہ ہے تاہم نفس وجسم کے ارتباط کا انحصار محض اسی کے اوپر نہین، بلکہ ایسی بہت سی کیفیات نفسی ہین، جنھین دماغ سے کوئی سروکار نہین۔ بجلی کی چمک سے اضطرارًا آنکھ کا جھپک جانا، بادل کی سخت گرج سُنتے ہی دفعتًا چونک پڑنا، شدت غیظ مین مُنھ سے بے اختیار کف نکل آنا، صدہا ایسے تغیرات وکیفیات ہین، جو ہم پر روزطاری ہوتے رہتے ہین، لیکن ان مین سے ایک شے بھی ایسی نہین جو مخ یا مخیخ کی محکوم ہو۔ اس لیے ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ اس قسم کے تغیرات جسمانی اور ان کے متلازم کیفیات نفسی کے درمیان آلۂ ارتباط کیا ہے؟ پھر یہ سوال بھی قابل لحاظ ہے، کہ دماغ کی فعلیت سارے جسم پر کیونکر محیط ہے؟ وہ تو کاسۂ سر کے اندر بند ہے، پس جب ہم کسی دوسرے عضو مثلاً ہاتھ کو حرکت دینے کا قصد کرتے ہین، تو دماغ کا اثر وہان تک کیونکر پہونچتا ہے؟ ان سوالات کا جواب دینا، نخاع اور اعصاب کے وظائف کو بیان کرنا ہے۔

نخاع۔ نخاع جس حصۂ جسم کا نام ہے، اسے عرف عام مین حرام مغز کہتے ہین۔ یہ ریڑھ کے مضبوط استخوانی غلاف مین بند رہتا ہے۔ اور کاسۂ سر کے حصۂ اسفل سے لیکر نشستگاہ تک پھیلا رہتا ہے۔ پورا نشو و نما پانے پر اس کا اوسط وزن تقریباً ۱½ آونس، اور طول ۱۷-۱۸ انچھ ہوتا ہے۔ اسکے اوپر بھی جھلی کے وہی تین غلاف چڑھے ہوتے ہین، جن کا ذکر دماغ کے ذیل مین ہو چکا ہے۔ اسکی ترکیب زیادہ تر سُفید مادہ سے ہوئی ہے، جسکے اندر خاکی مادہ بھی رہتا ہے۔ گردن کے بالائی حصہ مین پہونچکر نخاع کسی قدر چوڑا ہو جاتا ہے، اور یہان اسکا نام نخاع مستطیل پڑ جاتا ہے۔ نخاع اور نخاع مستطیل کے وظائف طبعی حسب ذیل ہین :-

(۱) اعصاب اور دماغ کے درمیان رابطہ کا کام دینا۔ یعنی اعصاب جو تاثیرات خارج سے دماغ کو پہونچاتے ہین، یا دماغ سے جو تحریکات خارج تک لیجاتے ہین، وہ سب نخاع اور نخاع مستطیل کی وساطت سے آتے جاتے ہین۔

(۲) افعال غیر اختیاری کے مصادر کا کام دینا۔ افعال غیر اختیاری جو ہمارے مجموعۂ افعال کا جزو اعظم ہوتے ہین، دو قسم کے ہین، ایک وہ، جن کے ارتکاب کا ہم کو قصد و ارادہ نہین کرتے، تاہم ان کے وقوع کو ہم محسوس کرتے رہتے ہین۔ پس یہ افعال غیر ارادی ہوتے ہین لیکن غیر شعوری نہین،

مثلاً سانس لینا، چھینک آنا، چونک پڑنا وغیرہ۔ ان کو افعال اضطراری کہتے ہین
دوسری قسم کے وہ افعال ہین جو نہ صرف ہمارے ارادہ مین نہین آتے، بلکہ
ہمارے شعور مین بھی نہین آتے۔ مثلاً دوران خون، یا انہضام غذا سے متعلق تمام
اندرونی حرکات یہ افعال افعال قسری کہلاتے ہین۔ یہ ہر دو قسم کے غیر اختیاری اعمال
دماغ کے محکوم نہین ہوتے، بلکہ ان کا صدور تمام تر نخاع و نخاع مستطیل کی ماتحتی
مین ہوتا ہے۔ افعال غیر اختیاری مندرجہ ذیل خصوصیت کے ساتھ اہم ہین۔

(الف) متعلق بہ تنفس۔ اسکے تحت مین سانس لینے، چھینکنے، اور
کھانسنے کے حرکات عضلی شامل ہین۔

(ب) متعلق بہ ہضم۔ یہ معدہ، جگر، لبلبہ، امعاء وغیرہ کے
حرکات عضلی پر مشتمل ہے۔

(ج) متعلق بہ دوران خون۔ اسکے تحت مین شرائین و اوردہ کی
حرکات اور ضربات قلب داخل ہین۔

(د) متعلق بہ حواس ظاہری۔ یہ عنوان اُن تمام غیر اختیاری
افعال پر محیط ہے، جو حواس ظاہری کی وساطت سے انجام پاتے ہین۔
مثلاً کسی تیز روشنی سے پلک کا خود بخود جھپک جانا، یا کسی شے کو
ہاتھ پر دفعتہً گرتے ہوئے محسوس کرکے ہاتھ کا بیساختہ کھینچ لینا۔

(ہ) متعلق بہ تمدد عضلات۔ اس عنوان سے تمدد یا کشیدگی کی

وہ عام کیفیت مراد ہے، جو بہ تفاوت مراتب تمام عضلات جسم مین زندگی بھر موجود رہتی ہے۔ کسی سوتے ہوئے شخص کی وضع جسمی مین کوئی تغیر کرنا چاہو تو کچھ نہ کچھ مزاحمت اسکی طرف سے ضرور ہوگی۔ یہی تمدد عضلات کی ایک مثال ہے۔ یہ تمدد ایک نخاعی فعل ہے ــ

اعصاب ۔ یہ سفید رنگ کے نہایت باریک دھاگے یا تار ہوتے ہین، جو مراکز عصبی سے نکل کر جسم کے ہر حصہ مین پھیلے ہوے ہین ۔ بعض اعصاب کے مراکز یا مخارج دماغ مین ہوتے ہین، اسلیے انھین اعصاب دماغی کہتے ہین۔ اور بعض کے نخاع مین ہوتے ہین، اسلیے وہ اعصاب نخاعی کہلاتے ہین۔ یہ آخرالذکر اعصاب ریڑھ کے مہرون سے دائین بائین دونون طرف سے نکلتے ہین۔ اعصاب کی ترکیب ایک خاص قسم کے مادہ سے ہوئی ہے، جسے مادۂ عصبی کہتے ہین۔ یہ وہی مادہ ہے جس سے دماغ و نخاع کا مغز بنا ہے۔ اس مادہ کے دو رنگ ہوتے ہین:۔ سفید اور خاکستری سفید مادہ سے صرف عصبی ریشے بنے ہین، اور خاکستری مادہ سے ریشہ اور ذرات عصبی (یا خلایا) دونون۔ خوردبینی معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مادۂ عصبی تمام تر ان ہی دو قسم کے اجسام یعنی ریشہ اور ذرات پر مشتمل ہے۔ یہ ریشے اسقدر باریک ہوتے ہین کہ انکی دبازت ۱/۱۵۰۰ و ۱/۳۰۰۰ انچہ سے لیکر ۱/۱۰۰۰۰ انچہ تک ہوتی ہے۔ گویا ایک انچہ دبیز عصبی مادہ مین اوسطاً ایک کرور سے لیکر

دس کروڑ تک اعصاب ہوتے ہین۔ ذرات جو مدوّر شکل کے ہوتے ہین،
نسبتاً زیادہ جسامت رکھتے ہین، یعنی انکی دبازت ۱/۳۰۰ انچ سے لیکر ۱/۱۲۰۰۰ انچ
تک ہوتی ہے۔ گویا ایک انچہ عصبی مادہ مین اوسطاً چار لاکھ ذرات ہوتے
ہین، یہ ذرات، دماغ یا نخاع کے اندر واقع ہوتے ہین، اور اعصاب انھین سے
نکل کر سارے جسم کے اطراف وجوانب مین دوڑتے ہین۔ اسی لحاظ سے
ان کو مراکز عصبی بھی کہتے ہین۔

بہ لحاظ فعلیت کے بھی، اعصاب کی دو قسمین ہین :-

(۱) اعصاب حسیّہ (۲) اعصاب محرّکہ۔ اعصاب حسیہ وہ ہین
جو ہر حصہ جسم کے تاثر وانفعال کی اطلاع، یا اطراف وجوانب سے تاثیرات،
مراکز عصبی تک لے جاتے ہین۔ اعصاب محرکہ وہ ہین، جو مراکز عصبی کے
احکام کی مطابقت مین عضلات جسم کو حرکت دیتے ہین، اور مرکزی تحریکات کو
اطراف وجوانب تک لاتے ہین، اعصاب کی فعلیت کا طریقہ یہ ہے کہ مؤثرات
خارجی، جن کا اصطلاحی نام مہیجات ہے، کے اثر سے اعصاب حسیہ مین ایک
ارتعاش یا تہیج پیدا ہو جاتا ہے، بالکل اسی طرح کہ جیسے تار کے ایک سرے
کو ہلانے یا صدمہ پہونچانے سے سارے تار مین ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے،
اور جب یہ تہیج جاکر حصہ مرکزی یعنی دماغ یا نخاع سے ٹکراتا ہے، تو وہان
فوراً اُس درآمد کے مقابلہ مین عمل، برآمد، شروع ہو جاتا ہے، یعنی خارج کے

تہیج تاثیری کی مطابقت مین (جسکے حامل اعصاب حسیہ ہوتے ہین) بطور عمل رجعی[۱] کے، دماغ یا نخاع مین تہیج تحریکی پیدا ہو جاتا ہے، اور اعصاب محرکہ اسی تحریک کو مراکز عصبی سے خارج تک لاتے ہین۔ اس نفسی واقعہ کی تشریح چند مثالون سے ہوگی:۔

ہم کمرہ مین بیٹھے ہوے لکھ رہے تھے، کہ زور کا مینھ برسنے لگا۔ اس تغیر ماحول کے باعث سرد ہوا کا ایک جھونکا ہماری جلد سے ٹکرایا۔ یہ مہیج تھا۔ فوراً ہی اُن اعصاب حسیہ مین، جن کا تعلق لمس سے ہے، اور جنکے سرے ہماری جلد مین منتہی ہوے ہین، ارتعاش پیدا ہوا، اور جونہی یہ تہیج جاکر دماغ مین پہونچا وہان یہ عصبی کیفیت ایک نفسی کیفیت مین تبدیل ہو گئی، جسے ہم سردی کا محسوس ہونا کہتے ہین۔ اب ہمارے اعصاب محرکہ کو حرکت ہوئی، اور ہمنے اُٹھکر دروازہ بند کر دیا۔ اس مثال مین اعصاب حسیہ و محرکہ کے فرائض علے الترتیب ظاہر ہین۔

ہم ایک تاریک کمرہ مین لیٹے ہوے تھے، کہ دفعتاً ایک شخص نہایت تیز روشنی کا لمپ لیے ہوے داخل ہوا، اس پر نظر پڑتے ہی ہمارے

---

[۱] عمل رجعی اس فعل ثانی کو کہتے ہین، جو کسی فعل اول کے صدور پر بطور اسکے جواب کے از خود صادر ہو۔ مثلاً ہم ربڑ کا گیند دیوار پر پھینکتے ہین، یہ ایک فعل ہوا، گیند اُچھل کر پھر ہماری جانب واپس آتا ہے۔ یہ عمل اول کا عمل رجعی ہے۔ مصری مصنفین اسکے لیے "رد عمل" کا لفظ استعمال کرتے ہین۔

اعصاب حسیہ بصری متہیج ہوے، فوراً ہی حصۂ مرکزی متاثر ہوا اور اسکے ساتھ ہی پیشانی کے اعصاب محرکہ کو جنبش ہوئی جنھون نے ہمارے پپوٹے بند کردیے، جسے ہم آنکھ جھپک جانا کہتے ہین۔ اس مثال سے بھی اعصاب حسیہ ومحرکہ کے فرائض علٰحدہ علٰحدہ بخوبی واضح ہوتے ہین۔

ہم نے کھانا کھایا، غذا معدہ مین پہونچی۔ اب جلد معدی کے اعصاب حسیہ مین تموج پیدا ہوا، جو نخاع تک پہونچا۔ اور وہان سے اعصاب محرکہ نے معدہ، جگر، لبلبہ، انتڑیون، وغیرہ مین وہ تمام حرکات پیدا کردین، جن کا مجموعہ عمل انہضام کہلاتا ہے۔ یہ کارروائی بھی ایک عصبی فعل تھا، جو افعال حسیہ ومحرکہ کی مشارکت سے انجام پایا۔

ان مثالون مین قدر مشترک یہ ہے کہ انسان جن جن چیزون سے متاثر ہوتا ہے، ان کا مواد دماغ کو پہونچانا، اعصاب حسیہ کا کام ہے؛ اور جن جن چیزون پر موثر ہوتا ہے، ان کو دماغ کے دسترس مین لانا اعصاب محرکہ کا وظیفۂ طبعی ہے۔ گویا انسان کی حیاتِ انفعالی کا انحصار اعصاب حسیہ پر ہے، اور حیات فاعلی کا اعصاب محرکہ پر۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ انسان بقاے حیات کے لیے اعصاب کا کس درجہ محتاج ہی اگر اعصاب نہ ہون، تو ایک حصۂ جسم کو دوسرے کی مطلق خبر نہ ہو، اور اس وقت ہم اپنے مختلف اعضا کے درمیان جو کچھ ارتباط پارہے ہین، وہ

تمام تر نظام عصبی کے وجود کا نتیجہ ہے[1]۔

[1] رسالہ ادیب (الہ آباد) کے ۱۹۱۱ء کے بعض پرچون مین ہم نے نفسیات عادات پر جو مبسوط مضمون لکھا تھا، اُسمین نظام عصبی کے وظائف کا ذکر کسی قدر زیادہ تفصیل سے تھا ذیل مین ہم اُس سے کچھ اقتباس درج کرتے ہین، جو مسائل مندرجہ متن کی توضیح مین شاید معین ہو:۔

"اعضاو قوائے رئیسہ مین جو شے سب سے زیادہ افضل و اعظم ہے، اور رئیس الرؤسا کا درجہ رکھتی ہے، وہ کوئی واحد عضو نہین، بلکہ ایک نظام اعضا ہے، جسکا اصطلاحی نام نظام عصبی ہے، اور جسکے اوپر حیات انسانی کا تمام تر انحصار ہے۔ نظام عصبی کا خاص کام جسم انسانی کے مختلف اعضا و قوی کے درمیان نظم و تناسب پیدا کرنا اور ان کو باہمدگر مربوط رکھنا ہے۔ نظام عصبی کے بغیر انسان کی مثال اس مکان کی سی ہے، جسکے لیئے اینٹ، چونا، مٹی، لکڑی، غرض سارے مسالہ کا بہ افراط ڈھیر لگا ہی، مگر کوئی معمار یا کاریگر نہین، جو ان چیزون کو ایک خاص اسلوب پر ترکیب و ترتیب دے، اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت مین مکان کبھی نہ تعمیر ہو سکیگا۔ یہی حال جسم انسانی کا ہے۔ فرض کرو، کہ گوشت، پوست، خون و استخوان کو جوڑ کر ہم نے انسان کی صورت قائم بھی کردی، لیکن اگر نظام عصبی نہین، تو اگرچہ قلب و شرائین موجود ہین، لیکن دوران خون ایک لحظہ کے لیے بھی جاری نہین رہ سکتا؛ پھیپھڑے موجود ہین اور ڈھانچ کو ہم نے تازہ ہوا مین بھی کھڑا کردیا ہے، مگر تنفس ایک سکنڈ کے واسطے بھی ممکن نہین، معدہ صحیح و سالم ہے اور معدہ کے اندر غذا بھی کسی آلہ کی مدد سے پہونچا دی گئی ہے، لیکن وہ اعمال انہضام سے معذور محض ہے؛ عضلات سب کے سب موجود ہین، مگر جس وضع پر ہمنے ڈھانچ کو کھڑا کردیا ہے، اُس سے ایک سر مو حرکت کی اُن مین قدرت نہین؛ غرض یہ کہ نظام عصبی کی عدم موجودگی مین انسان، انسان نہین ہو سکتا،"

ہم عام گفتگو مین یہ کہتے ہین، کہ فلان عضو مین درد ہے، لیکن واقعہ کی رو سے ایسے موقع پر یہ ہوتا ہے، کہ پہلے وہ عضو کسی درد آفرین مُہیّج سے متاثر ہوتا ہے، لیکن ابھی یہ تاثر محض ایک مادی صورت، یعنی ارتعاش، رکھتا ہے - دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ یہ تہیّج اعصاب حسیّہ کی وساطت سے منتقل ہو کر دماغ تک پہونچتا ہے، اور یہان پہونچتے ہی انسان درد محسوس کرنے لگتا ہے - جس سے یہ معلوم ہوا کہ تہیّجات جبتک دماغ سے باہر ہوتے ہین، ایک عصبی، مادی، یا جسمانی حیثیت رکھتے ہین، لیکن دماغ مین داخل ہونے کے بعد وہی تہیجات ایک نفسی، شعوری، یا ذہنی کیفیت مین تبدیل ہو جاتے ہین - یہ امر اختبارات کی بنا پر ثابت ہو چکا ہے، کہ جب کسی عضلہ کے اعصاب حسیّہ کو مراکز عصبی سے الگ کر لیا جاتا ہے، تو خواہ اس عضلہ کو کتنے ہی پُر اذیت حالات کے درمیان رکھا جائے، مگر انسان کو اس سے مطلق تکلیف نہین محسوس ہوتی، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

(۱) درد و راحت، حظ و کرب، لذت و الم کا اصل محل یا مستقر نظام عصبی کا مرکزی حصہ ہے، اور

(۲) اس مرکزی حصہ تک یہ تمام اطلاعات اعصاب حسیّہ کے واسطہ سے پہونچتی ہین -

رفتار تہیّج، گو برقی رو کی طرح نہایت سریع السیر ہے، تاہم اسکے

مراکز عصبی تک پہونچنے مین کچھ نہ کچھ وقفہ بہر حال ہوتا ہے - اس وقفہ کی قطعی تعیین کے بارے مین گو کسی قدر اختلاف ہے، لیکن اکثر اساتذہ عضویات مثلاً ہکسلی و فاسٹر کا اس پر اجماع ہے، کہ انسان مین تہیج عصبی کی شرح رفتار تقریباً ۱۱۰ فٹ فی سکنڈ ہے اور یہ شرح رفتار، اعصاب حسیہ و محرکہ مین مشترک ہے، یعنی کوئی ایک دوسرے کے مقابلہ مین تیز رو یا سست رفتار نہین -

یہ ہم اوپر کہہ آئے ہین کہ اعصاب اپنے مراکز کی مقامیت کے لحاظ سے دو قسم کے ہین: دماغی اور نخاعی - اعصاب دماغی شمار مین بارہ جوڑ ہین، جو سر، گردن، و چہرہ مین پھیلے ہوے ہین، مگر اُن مین سے ایک معدہ تک بھی آیا ہے - انسان کو سماعت، بصارت، شم، و ذائقہ کے تمام حاسات کا علم انھین کے واسطہ سے ہوتا ہے، اور انھین کے واسطہ سے اس علم محصلہ کی مطابقت مین اُس سے حرکات کا صدور بھی ہوتا ہے - اعصاب نخاعی کی تعداد اکتیس جوڑ ہے - یہ گردن، کمر، سینہ، پشت، نشستگاہ مین پھیلے ہوے ہین، اور ان اعضا سے متعلق ہر قسم کی حس و حرکت کا کام ان کے سپرد ہے - اس بیان کا یہ منشا نہین کہ کل عصاب کی تعداد تینتالیس جوڑ ہوتی ہے بلکہ یہ خاص خاص اعصاب اساسی کی تعداد ہے، جن کے نام کا انتساب بھی ان کے متعلق اعضا کے ساتھ کر دیا گیا ہے، مثلاً آنکھ کا عصب، یا عصب البصری؛ کان کا عصب، یا عصب السمعی، وغیرہ - یہ اعصاب مثل درخت کی چند بڑی شاخون کے ہین، جن سے ٹہنیون اور کوپلون کی طرح بیشمار باریک باریک اعصاب اور چھوٹے ہین،

اور جسم کا کوئی حصہ ایسا نہین ہی، جس مین اُنھون نے جال نہ بنا لیا ہو، یہی وجہ ہی کہ ہم جسم کے ہر حصے کو حرکت دے سکتے ہین، اور خفیف سے خفیف حس کو محسوس کر سکتے ہین

تحریر بالا شاید کاواک نظر آئے، اسلیے ہم خلاصۂ بحث کو یہان چند لفظون مین بیان کیے دیتے ہین:-

جسم و مادہ، اور ذہن و شعور، یہ دو بالکل علیحدہ و متبائن چیزین ہین۔ نظام عصبی ان دو مختلف عالمون کے درمیان عالم برزخ کا کام دیتا ہے۔ وہ گو فی نفسہ ایک مادی شی ہی لیکن ہر طرح کا شعور و احساس اسی کے واسطہ سے ہوتا ہی، اسلیے اُسے نفس کا مستقر قرار دیا جاتا ہے۔ نظام عصبی اجزاے ذیل پر مشتمل ہی۔

(الف) نظام عصبی مرکزی، جو مجموعہ ہی (۱) دماغ، اور (۲) نخاع، کا

(ب) نظام عصبی محیطی۔ جو مجموعہ ہی (۱) اعصاب حسیہ، اور (۲) اعصاب محرکہ کا۔

تہیجات کو قبول کرنا، اور ان پر حکم لگانا، نظام عصبی مرکزی کا کام ہی، تہیجات کو وہان تک لانا یا وہان سے لیجانا نظام عصبی محیطی کا کام ہے۔ مگر یہ طریق کار مشروط ہی انسان کی صحت پر۔ مرض کی حالت مین، نظام مرکزی مین خود تہیجی پیدا ہو جاتی ہے، یعنی وہ بجاے خارج سے تہیجات قبول کرنے کے، خود انھین خلق کرنے لگتا ہے۔ سرسام، خواب ہیمیائی، جنون، وغیرہ مین جو خیالی صورتین مریض کو نظر آنے لگتی ہین، وہ اسی کا نتیجہ ہین۔

باب ۳

مفردات جذبات : حظ و الم

قانون ارتقا کی سب سے اہم دفعہ، انتخاب طبعی اور تزاحم فی الحیات کا مسئلہ ہی۔ جذب و دفع، ایجاب و سلب، کون و فساد، خیر و شر، مد و جزر، نور و ظلمت، خرق و التیام، اجتماع و انتشار ان سب کی متضاد قوتین ہر لحظہ و ہر آن اپنا عمل کیا کرتی ہین، بلکہ سچ یہ ہی کہ کائنات نام ہی اسی تزاحم و کشاکش کا ہی، اور دنیا کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہین کہ وہ ایک اسٹیج ہی جس پر بقا و فنا کے متناقض الخواص پُتلے ہر وقت ایکٹ کر رہے ہین۔ جسوقت تک کسی شی مین اجتماع، ایجاب، کون، و التیام کے عناصر کا پلہ زبردست ہی ہم کہتے ہین کہ وہ شی زندہ ہی، یا اسکی ہستی قائم ہی؛ اور جہان اسمین انتشار، سلب، خرق و فساد کے عناصر نے غلبہ حاصل کیا، ہماری اصطلاح مین وہ شی فنا یا مردہ ہو جاتی ہی پس کسی مخلوق کے زندہ رہنے کے یہ معنی ہین کہ وہ اپنے اندر، اپنے ماحول کے مقابلہ مین ایسی استعداد موجود رکھتی ہی جسکے باعث اسکے مؤثرات حیات افزا کا پلہ بہ نسبت

عوامل مُہلکہ کے بھاری ہی۔ اور جس مخلوق مین یہ استعداد جتنی زیادہ موجود ہوگی، اسی نسبت سے وہ بہتر اور زیادہ مُدت تک زندگی بسر کر سکیگی۔ یہ قانون، عالم موجودات کے ذرہ ذرہ پر محیط ہے، جسکی پابندی سے انسان مستثنیٰ نہین۔ اگر اسے زندہ رہنا ہی، تو ضرور ہی کہ اسمین اُن تاثرات کا حصّہ، جو حیات کو قائم رکھنے والے، اسکی قوتون کو بڑھانے والے، اور جسم و نفس کو بالیدگی پہنچانے والے ہین، بہ نسبت اُن تاثرات کے زیادہ ہو، جو اسکی قوت کو گھٹانے والے، اُسکے قوی کو کمزور و ناتوان بنانے والے اور اُسے موت کی طرف لیجانے والے ہوتے ہین، اور یہ کہ جہانتک اُسکی سعی و انتخاب کو دخل ہی، وہ ہمیشہ آخر الذکر نوعیت کے تاثرات کے مقابلہ مین اول الذکر نوعیت کے تاثرات کو اختیار کرے۔

لیکن سوال یہ ہی، کہ انسان کے پاس ان عوامل متضادہ مین امتیاز کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟ کیا شی ہی، جسکی بنا پر وہ فیصلہ کر سکتا ہی کہ فلان افعال صیانت حیات کے حق مین مفید ہون گے اور فلان مضر؟ اگر کہیے کہ تجربہ و آزمائش، تو اس جواب کا ناکافی ہونا ظاہر ہی، اسلیئے کہ قبل اسکے کہ انسان عوامل مہلکہ کی آزمائش کر کے آیندہ اُن سے محترز رہنے کے قابل ہو، دوران تجربہ ہی مین اسکا کام تمام ہو جائیگا۔ اسلیے فطرت نے خود نفس انسانی مین ایک ایسی قوت ودیعت کر رکھی ہی جسکے باعث وہ فی الفور مُضر کو مُفید سے، اور زہر ہلاہل کو آب حیات سے تمیز کر سکتا ہی، اور یہ وہ شی ہی جسے ہم حیات نفسی مین احساس حظ و الم سے تعبیر کرتے ہین۔ یعنی جو اشیا ہمین خوش ذائقہ معلوم ہوتی ہین، جتنی چیزین خوشبودار ہوتی ہین، جن آوازون کا سُننا خوشگوار معلوم ہوتا ہی،

جن نظارون کا دیکھنا مرغوب ہوتا ہی، جن چیزون کے مس کرنے مین لذت محسوس ہوتی ہے، غرض جو چیزین کسی حیثیت سے بھی ہم مین لذت، مسرت، انبساط، و حظ کا احساس پیدا کرتی ہین، وہ علی العموم وہی ہوتی ہین، جو ہمارے قیام حیات کے حق مین مفید ہوتی ہین۔ اسی طرح جو ماکولات و مشروبات ہمین بدذائقہ معلوم ہوتے ہین، جو آوازین کرخت ہوتی ہین، جن چیزون مین بو آتی ہی، جن نظارون سے آنکھ مین خستگی یا خیرگی محسوس ہوتی ہی، جن چیزون کو مس کرنا ناگوار گذرتا ہی، غرض جو چیزین ہم مین کسی حیثیت سے بھی درد، کرب، اذیت و انقباض کا احساس پیدا کرتی ہین، وہ وہی ہوتی ہین، جو صحت انسانی کو نقصان پہنچانے والی، اسکے شیرازہ حیات کو متفرق کرنے والی، اور اسکے لیے مودّی الی الفنا ہوتی ہین۔ اور چونکہ یہ بھی انسان کی جبلت مین داخل ہی، کہ وہ ہمیشہ اُن افعال کو اختیار کرتا ہی، جن سے اُسے حظ حاصل ہوتا ہی، یا حصول حظ کی توقع رہتی ہی۔ اس لیے فطرت نے ہم مین حِساس حظ و الم ودیعت کرکے ہمین ایسے قابل اعتماد دلیل راہ کی سپردگی مین دیدیا ہی، جو قدم قدم پر ہمین مضرت کی راہ سے خبردار، اور منفعت کی راہ کی طرف مستعد کرتا رہتا ہے، اور جسکی رہبری مین ہم بے خوف و خطر نہایت کامیابی و کامرانی کے ساتھ منازل حیات طے کرسکتے ہین۔

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے، کہ مختلف چیزون کے متعلق احساسات ہمارے نفس مین ہمیشہ سے از خود ایک وضع پر قائم ہین، بلکہ ان احساسات کا مبدا اصلی،

درحقیقت، تجربہ ہے، گو وہ تجربۂ تجربۂ افراد نہین، بلکہ تجربۂ متوارث ہے۔ اور اس مسئلہ کا حل قانون توارث مین ملتا ہی۔ قانون توارث کا منشا یہ ہے کہ خصائص جسمانی کی طرح، اسلاف کے خصایص نفسی بھی اخلاف مین وراثۃً منتقل ہوتے ہین، اور جن خصائص کو چند پشتین علی الاتصال اختیار یا ترک کرتی رہتی ہین، وہ آگے چل کر نئی نسل کے افراد مین یا تو مستقل طور پر جڑ پکڑ جاتی ہین، اور یا اُن سے بالکل فنا ہو جاتی ہین۔ اس قانون کی روشنی مین مسئلہ جمال کی تشریح یون ہو سکتی ہی کہ جن چیزون کو ہمارے اسلاف نے آج سے لاکھون سال پیشتر اپنے لیے نقصان رسان پایا تھا، اُن سے اجتناب کرنے لگے، اور ان کی طرف سے ان کے دل مین ناپسندیدگی و نفرت کی کیفیت پیدا ہوتی گئی جس پر بعد کی نسلین بھی عملدرآمد کرتی رہین، یہان تک کہ آج اُن چیزون کا نظارہ یا محض تصور ہی ہمارے لیے موجب الم ہی۔ اسی طرح جن چیزون کو ان کے نفع کی بنا پر ہمارے اسلاف پشتہا پشت سے اختیار کرتے رہے ہین، انکی جانب رغبت اور انکی پسندیدگی ہمارے نظام عصبی مین ایسے گہرے طور پر منقش ہو گئی ہی کہ ہمین انکے نظارہ یا تصور ہی مین آج لطف و انبساط محسوس ہوتا ہے۔

نظریۂ بالا کی تائید ہماری روزانہ زندگی مین اکثر حیثیات سے ہوتی رہتی ہے۔ اتنی بات ہر شخص اپنے ذاتی تجربہ سے کہہ سکتا ہی، کہ زیادہ بد ذائقہ و بودار چیزون سے استفراغ ہو جاتا ہے، اور اسکے برخلاف جو غذا جتنی زیادہ رغبت سے کھائی جاتی ہے، اتنی ہی جزو بدن بنتی ہی۔ خوشگوار و خوش فضا مناظر، بصارت کو قوت

دیتے ہین، برخلاف اسکے تیز و ناگوار روشنی آنکھون کو صدمہ پہنچاتی ہی۔ اسی طرح متناسب تک ورزش کرنا، تازہ ہوا مین سانس لینا، نیند بھر سونا، بھوک کے وقت کھانا کھانا، جہان ایک طرف انسان کے لیے بیحد مفید، بلکہ اسکے قیام حیات کے لیے ناگزیر فعال ہین، وہان کس درجہ خوشگوار و باعث تفریح بھی ہین! غرض، حظ و منفعت اور کرب و مضرت کا تلازم اکثر اشیا مین ہر شخص کو نظر آتا ہی۔ تاہم بعض مثالین ایسی بھی ہر شخص کے پیش نظر ہین، جو بظاہر اس کلیہ کے منافی معلوم ہوتی ہین۔ کُنین کے فوائد محتاج بیان نہین، لیکن کیا اس سے زیادہ تلخ و بدذائقہ کوئی دوسری دوا ہے؟ عمل زوجیت، بقاے نسل کے لیے لازمی ہی، مگر کیا اسکے بعد ایک طرح کا ضعف و کسل لاحق نہین ہوتا؛ اپنے تئین ہلاکت مین ڈال دینا، بداہۃً حفظ نفس کے منافی ہی، مگر کیا ایک شہید تخیل (آئیڈیل) ایک ہیرو کو اس مین لطف نہین آتا؟

یہ، اور اسی قسم کی دوسری مثالین بے شبہ نہایت صحیح ہین، لیکن نظریہ بالا کی معارض نہین۔ اصل یہ ہی کہ ہر انسان پر تین مختلف نقطہ ہاے خیال سے نظر کیجا سکتی ہے، ایک اس حیثیت سے کہ وہ مستقلاً ایک علحدہ وجود شخصی رکھتا ہی؛ دوسرے اس لحاظ سے کہ وہ مجموعۂ انسانیت کا ایک جزو اور بحر اجتماعیہ کا ایک قطرہ ہی؛ تیسرے اس اعتبار سے کہ اسمین توالد و تناسل کے ذریعہ سے اپنی ہمجنس مخلوق کو پردۂ عدم سے میدان شہود مین لے آنے کی قابلیت موجود ہے۔ اس بنا پر ان حیثیات ثلٰثہ کی مطابقت مین انسانی نفع و ضرر پر بھی تین مختلف حیثیات سے نظر کی جا سکتی ہی:-

(۱) نفع وضرر افراد کے لیئے،

(۲) 〃 ہیئت اجتماعیہ کے لیے،

(۳) 〃 نسل کے لیے۔

ان منافع ومضار سہ گانہ کے درمیان تخالف وتناقض پایا جانا نہ صرف ممکن ہے، بلکہ کثیر الوقوع ہے یعنی ایسا اکثر واقع ہوتا ہی کہ ایک فعل اپنے فاعل کی ذات کے لیے سخت مضرت رسان ہے، مگر بقاے نسل کے لیے اسکا ارتکاب لازمی ہے۔ یا ایک فعل افراد کے لیے بجاے خود نہایت مُضر ہی، لیکن قیام ہیئت اجتماعیہ کے لیے ناگزیر ہے۔

ساتھ ہی فطرت انسانی کا یہ قانون بھی یاد رکھنے کے قابل ہی، کہ ثبات عقل اور صحت نفس کی حالت مین علی العموم انفرادی منافع ومضار اجتماعی ونسلی منافع ومضار کے تابع ومغلوب رہتے ہین۔

اس قسم کے متناقض الاثر افعال کے ارتکاب کے وقت انسان، انبساط وانقباض دونون کی کیفیات سے تقریبًا ساتھ ہی ساتھ متحسّس ہوتا ہے۔ اسکی ایک واضح مثال فعل وظیفۂ زوجیت ہے۔ یہ فعل چونکہ ایک طرف نسلی حیثیت سے نہایت مفید بلکہ لازمی ہے، اسلیے اسکے عمل مین انسان ایک خاص لذت محسوس کرتا ہی، مگر چونکہ دوسری طرف یہ انفرادی حیثیت سے انسان کے لیے مُضر ومُضعف بھی ہے، کہ اُس سے ایک کافی ذخیرۂ قوت خارج کردیتا ہی، اسلیئے معًا انسان کو

نسل وتحفظ کا، خوشگوار احساس بھی ہوتا ہے، باایں ہمہ جیسا ہم ابھی کہہ چکے ہین، چونکہ انفرادی منافع نسلی منافع کے سامنے عموماً مغلوب رہتے ہین، اسلیے ضعف ونسل کے اندیشہ سے انسان اس فعل کے ارتکاب سے باز نہین رہ سکتا۔ یا مثلاً جب والدین اپنا پیٹ کاٹ کے اور خود فاقہ کر کے اپنی اولاد کو غذا پہنچاتے ہین، تو اس حالت مین وہ تکلیف و راحت سے تقریباً ساتھ ساتھ متحس ہوتے ہین، تکلیف اس لیے کہ فاقہ کشی کر کے وہ اپنی ذات کو ہلاکت کی طرف لیجانے مین معین ہوتے ہین، اور راحت اس بنا پر کہ اس سے بقاے نسل کا سامان کرتے ہین۔ یہی تماشا حیوانات مین بھی نظر آتا ہی: بعض نہایت بزدل جانورون (مثلاً مرغیون) کو دیکھا ہوگا، کہ دشمن کی مدافعت کے وقت اپنے بچون کو الگ ہٹا کر خود اُس سے مقابلہ کرنے پر تُل جاتے ہین۔ ظاہر ہی کہ یہ فعل صریحاً منجر بہ ہلاکت ہوتا ہے، اور اس لیے اُنھین اس سے سخت اذیت ہوتی ہی، تاہم اپنی نسل کی حفاظت مین اُنھین بجاے خود ایک لذت و راحت محسوس ہوتی ہی، جو انکے ذاتی خطرہ و اذیت کے حق مین نعم البدل کا کام دیتی ہے۔ ایسی ہی متناقض کیفیات سے انسان کو اُن مواقع پر بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، جبکہ منافع انفرادی و منافع اجتماعی کے درمیان آکر تضاد پڑجاتا ہی۔ حُبّ قوم، حُبّ ملت، حُبّ وطن مین افراد سخت سے سخت صعوبات برداشت کرتے ہین، بلکہ اپنی جان تک دے دیتے ہین۔ یہان یہ نہین ہوتا کہ انسان کو تکلیف ہی نہ محسوس ہوتی ہو، بلکہ جو کچھ ہوتا ہی اسکی حقیقت

یہ ہے کہ نفع اجتماعی کا احساس لذت (جسے وہ "ادائے فرض" "احقاق حق" وغیرہ دلخوش کن القاب سے تعبیر کرتا ہی) انسان کے نفع شخصی کی حس لذت پر غالب آجاتا ہے۔

علاوہ برین محض انفرادی حیثیت سے بھی بعض افعال اپنے اندر مضرت و منفعت دونون کے کافی مدارج موجود رکھتے ہین، اور اس بنا پر اُن افعال سے پہلے ایک فوری اذیت، مگر بعد کو ایک دیرپا لذت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ کسی شخص کا ایک دانت ہل رہا ہے، اور ڈاکٹر کو اسے مجبوراً اکھاڑنا پڑتا ہے۔ غور کرو کہ ایسی حالت مین اُس شخص کی مضرت و منفعت، دونون کے سامان ایک ہی فعل کے ذریعہ سے انجام پا رہے ہین۔ فرق یہ ہو کہ مضرت ہنگامی ہی اور منفعت مستقل: یعنی ایک طرف تو اسکا ایک عزیز عضو، ایک جزو جسم، اس سے علحدہ کیا جا رہا ہے؛ اور دوسری طرف اسکی ایک اذیت، ایک تکلیف کا بھی ازالہ کیا جا رہا ہے۔ پس ضرور ہے کہ اُسے اوّل الذکر نقطۂ خیال سے تکلیف اور آخر الذکر حیثیت سے راحت محسوس ہو، چنانچہ دانت اُکھاڑنے (اور اسی نوعیت کے تمام اعمال جراحی) کے وقت ایک ہنگامی تکلیف، مگر پھر ایک مستقل راحت، سے متحسس ہونا اسی تناقض عملی و تناقض اثری کا نتیجہ ہے۔

پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہی، کہ ہمارے آلام و لذات (جیسا کہ ہر شخص کو نظر آتا ہے) دُنیا کی تمام اشیاء کی طرح اضافی و اعتباری ہوتے ہین۔ ایک شے ایک شخص کے لیے

موجب راحت ہے، مگر دوسرے کے لیے باعث کلفت؛ یا پھر اسی شخص کے لیے ایک ہی شے مختلف حالات و واقعات کے درمیان مختلف احساسات رکھتی ہے۔ اس تغیر احساسات کی وجہ ظاہر ہے، یعنی وہی افراد کی جلب مضرت و منفعت کی قابلیت، اور چونکہ اس استعداد اس قابلیت، مین برابر تغیر ہوتا رہتا ہے، اس لیے حظ و کرب کے احساسات مین بھی تغیر ہوتے رہنا لازمی ہے۔ وہی غذا جو بھوک کے وقت نہایت خوشگوار معلوم ہوتی تھی شکم سیری کی حالت مین ہمارے لیے کوئی رغبت نہین رکھتی۔ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ پہلی صورت مین وہ ممد حیات تھی، اور اب برخلاف اسکے مضرت بخش ہو گئی ہے۔

رہا یہ سوال، کہ بعض دوائین ایسی ہین (مثلاً کنئین) جو مفید ہونے کے ساتھ ہی سخت بدذائقہ ہوتی ہین۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ انکی بدذائقگی نظریۂ بالا کے عین مطابق ہے۔ اسلیے کہ وہ فی نفسہ نہایت مضر صحت ہوتی ہین، اور ہمین اُن سے شفا جو حاصل ہوتی ہے، تو صرف اس لیے کہ وہ اپنے سمی اجزا سے امراض کے پیدا کردہ زہر کا توڑ کرتی ہین، اور اس طرح گو اُن سے آخر کار شفا حاصل ہو جاتی ہے، لیکن اس سے اُن ادویہ کی فطرت سم آلود تو نہین بدل سکتی۔

اس نظریۂ احساس کا خلاصہ یہ نکلا، کہ افراد کا انبساط و افادہ، اور انکا انقباض و حضرت، مرادف الفاظ ہین۔ لیکن "افادہ" و "مضرت" مین پھر بھی ابہام ہے، عضویات کی مدد سے یہ پردہ بھی اُٹھ جاتا ہے، اور صاف معلوم ہو جاتا ہے

کہ افراد کا افادہ و نقصان درصل نام ہی علی الترتیب ان کے اعصاب جسم کے معتدل و واجب اور غیر معتدل دنا واجب عمل کا۔ پس اب نظریہ بالا کو ان الفاظ مین رکھ سکتے ہین:۔

"اعصاب جس وقت تک ایک حد معین اور طرز مناسب کے ساتھ کام کرتے ہین، حیات انسانی کو تقویت، اور اسلیے نفس کو انبساط حاصل ہوتا رہتا ہی، اور جہان انکی فعلیت مین، کیفی خواہ کمی حیثیت سے اختلال ہوا، حیات انسانی مین انحطاط اور اسلیے نفس مین بھی انقباض پیدا ہو جاتا ہے۔"

چنانچہ بعض اکابر علماء نفسیات نے اسی کلیہ کو اختیار کیا ہے۔

ورزش بالکل نہ کرنا یا غیر معتدل طور پر کرنا، دونون صورتون مین ایک ناخوشگوار و انقباضی کیفیت کا احساس ہوتا ہی، بہ خلاف اسکے معتدل ورزش کرنے سے طبیعت کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ ایک موسیقی دان کی خوش الحانی تھوڑی دیر تک لطف دیتی ہی، لیکن اگر زیادہ عرصہ تک رہے تو گران گزرنے لگتی ہی۔ احباب کا لطف صحبت تھوڑی دیر تک رہتا ہے، اسکے بعد طبیعت اکتا جاتی ہی۔ ریل اگر اپنی معمولی رفتار سے چل رہی ہو، تو ہم خوشی کے ساتھ دریچون سے سر نکال کر باہر جھانکتے ہین، لیکن اگر وہی فاصلہ ایک سست رفتار ریل گاڑی یا نہایت سریع السیر برقی مشین کے ذریعہ سے طی کرنا پڑے، تو دونون صورتین ہمین ناگوار گزرینگی، اسلیے کہ

کہ پہلی صورت مین اعصاب باصری کے سامنے ایک ہی منظر حد سے زیادہ دیر تک رہیگا، جس سے انسان اکتا جائے گا، اور دوسری صورت مین تمام اشیا اس سرعت کے ساتھ یکے بعد دیگرے آنکھ کے سامنے آتی رہینگی کہ کسی شے پر نظر نہ جم سکیگی اور انسان پریشان ہو جائے گا۔ ہوا جسوقت تک سبک و لطیف ہی خوشگوار معلوم ہوتی ہی، مگر وہی ہوا تند ہو کر آندھی کی شکل مین کسقدر تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔ روشنی جس وقت تک ہلکی ہی لطف دیتی ہے، مگر تیز ہو کر وہی روشنی تڑپ کہلاتی ہی اور آنکھون مین خیرگی پیدا کرتی ہی۔ آواز مین دلکشی و ترنم اسی وقت تک ہی جبتک وہ ایک حد خاص سے بلند نہین ہوتی لیکن تیز ہوتے ہی ایک تکلیف دہ شور و غوغا کی صورت اختیار کرکے کانون کو کسقدر ناگوار معلوم ہونے لگتی ہی۔ یہ تمام مثیلات شواہد ہین اس دعوے کے کہ ایک ہی شے جبتک کہ اعصاب کو ایک حد معین و طرز خاص تک متاثر کرتی رہتی ہی خوشگوار و انبساط بخش رہتی ہے، اور جب اپنے حدود سے متجاوز ہو جاتی ہی تو ناگوار و باعث انقباض بن جاتی ہے۔

احساس کی بحث مین یہ نکتہ غالبًا سب سے زیادہ اہم ہی کہ قوت ارادی اپنی فعلیت مین سر تا سر احساسات کے تابع اور محکوم ہوتی ہی یعنی انسان اپنے قصد و ارادہ سے اُنھی افعال کو اختیار کرتا ہے، جن سے اُسے براہ راست انبساط حاصل ہوتا ہے، یا حصول انبساط کی توقع رہتی ہی، خواہ یہ انبساط ایجابی ہو یا سلبی۔ (انبساط سلبی سے مراد ہے دفع انقباض) اور اُنھی افعال سے اجتناب

کرتا ہے، جو اسکے لیے موجب انقباض ہوتے ہین۔ یہ فطرت انسانی کا ایک عالمگیر قانون ہے جس سے انسان کا کوئی فعل ارادی مستثنیٰ نہین[1]۔ رند و صوفی، متقی و اوباش، عالم و جاہل، امیر و غریب، سب اس حیثیت سے مساوی ہین۔ فرق صرف یہ ہی کہ کسی کو جام و مینا مین لطف آتا ہے، کسی کو مطالعہ کتب و انہماک علمی مین، اور پھر کسی کو حُور و قصور کے تصور مین۔ بڑے سے بڑا مرتاض زاہد جسنے اپنے جسم کو ہر طرح کی اذیت و تکلیف کا خوگر بنا رکھا ہے، اور بڑے سے بڑا ریاضت کیش عالم، جو اغراق کتب بینی و استھلاک

---

[1] بعض علماے نفسیات کو اس کلیہ کی ہمہ گیری سے انکار ہے، اور تعجب ہی کہ پروفیسر جیمس جیسا دقیق النظر عالم بھی اُن کا ہم زبان ہے۔ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ افعال انسانی کا ایک بڑا حصہ اسی کلیہ کی ماتحتی مین انجام پاتا ہے، جیمس بعض افعال کو اس سے مستثنیٰ کرتا ہے، اور ایک خطیبانہ انداز سے کہتا ہے:-

> "کون شخص ہنسنے کی لذت کے لیے ہنستا ہے، اور غضبناکی کے استلذاذ سے غضبناک ہوتا ہے؟ کون شخص نہ چھینکنے کی تکلیف رفع کرنے کی غرض سے چھینکتا ہی؟ کون شخص غم، غصہ، اور خوف کی حالت مین حصول لذت کے لیے انکے متلازم حرکات کا مرتکب ہوتا ہے"؟
>
> (پرنسپلز آف سایکالوجی، جلد ۲ صفحہ ۵۵۰)

لیکن گزارش یہ ہی کہ یہ حرکات اور نیز افعال عادیہ ہمارے ارادے کی محکوم ہی کب ہین؟ یہ تو افعال اضطراری ہین، جو بلا قصد و ارادہ ہم سے سرزد ہوتے رہتے ہین، حالانکہ احساس لذت و الم کا دائرہ عمل، بہ حیثیت محرکات، افعال ارادی تک محدود ہے۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ محرکات افعال صرف احساسات موجودہ ہی نہین ہوتے، بلکہ احساسات آیندہ و گذشتہ کے تصورات بھی ہوتے ہین۔

غور وفکر سے بالکل نحیف وزار ہو گیا ہے، اُن کے دلون کو اگر ٹٹولو تو معلوم ہوگا کہ اُن کو ان ہی مشاغل و ریاضت مین حظ حاصل ہوتا ہی، اور ویسا ہی حظ جیسا عام افراد کو پر تکلف لباس اور لذیذ ماکولات و مشروبات مین ۔

یہان تک احساس کے نظریہ اساسی کا بیان تھا۔ صفحات ذیل مین اس مسئلہ کی چند اہم تفریعات درج کیجاتی ہین ۔

(۱) دنیا کی کوئی لذت، درد و اذیت کی آمیزش سے پاک نہین ہوتی، بلکہ ہر انبساط کے اندر انقباض کا شائبہ لازمی طور پر شامل ہوتا ہے ۔

یہ ہم ابھی کہہ چکے ہین کہ حظ نام ہی اعصاب کے ایک محدود و متعین طرز عمل کا، اور چونکہ ہر عمل سے اعصاب مین کسی نہ کسی قدر تکان پیدا ہونا ضروری ہی اسلیئے کوئی حظ ایسا نہین ہو سکتا، جسکے متعاقب کرب نہ واقع ہو جس طرح ہر کون کے لیے فساد او محنت کے لیے خستگی لازمی ہی، اسی طرح ضروری ہی، کہ ہر حرکت عصبی کے بعد ایک کسل و تکان پیدا ہو، اور اسی کا نام انقباض، کرب، اذیت ہے ۔

(۲) کوئی حیات انسانی آلام و تکالیف سے قطعًا پاک نہین رہ سکتی ۔

چونکہ حیات عبارت ہے مجموعۂ حرکات سے، اور حرکت نام ہی انتشار سالمات کا، جو مرادف ہی انقباض و کرب کا، اس لیے ہر ذی حیات کے لیے کرب و اذیت ناگزیر ہے ۔ پھر چونکہ ہر حیات انسانی لازمی طور پر حیات اجتماعی ہوتی ہے، اور حیات اجتماعی ممکن نہین تاوقتیکہ افراد کی آزادی افعال محدود نہ کیجائے، اور اسی تحدید

حریت کا نام احساس کرب ہے، پس اسلیے بھی درد والم حیات انسانی مین ناگزیر ہے۔

(۳۰) قوت احساس، مدارج تمدن کے متناسب ہوتی ہے۔

احساس چونکہ نفس کے ایک خاص شعبہ کا نام ہے، اسلیے اسکا نشو و نما عام نفسی نشو و نما کے تابع ہوتا ہے، یعنی جن لوگون کے عام قولے نفسی نمو یافتہ ہوتے ہین، علی العموم انکی قابلیت احساس بھی بڑھی ہوئی ہوتی ہے، اور چونکہ متمدن اقوام ہمیشہ غیر متمدن اقوام کے مقابلہ مین ذہنی حیثیت سے بلند پایہ ہوتی ہین، اسلیے انکے افراد بھی نسبتًا نہایت ذکی الحس ہوتے ہین، اور ایسے ادنی سے ادنی واقعہ سے متلذذ یا متالم ہوتے ہین، جسکے وقوع کی غیر متمدن افراد کو خبر تک نہین ہوتی۔ کسی مہذب یوروپین کے نرم و گداز بستر پر خفیف سے خفیف شکن بھی اگر رہ جاتی ہے، تو وہ چین بجبین ہو جاتا ہے، لیکن ہندوستانی دہقان بلاتکلف فرش خاک پر لیٹ رہتا ہے، اور اسکی پیشانی پر ہلکی سے ہلکی شکن کا نشان بھی نہین ہوتا۔ متمدن ممالک مین ہلکے سے ہلکے عمل بالید کے لیے ہوشیار سے ہوشیار ڈاکٹر اور بہتر سے بہتر انتظامات درکار ہوتے ہین۔ اسکے مقابلے مین وحشی قبائل کے افراد بلا کسی ساز و سامان کے بلاتکلف اپنے ہاتھ، پیر، اور دیگر اعضاے جسم کاٹ ڈالتے ہین۔ عوام اس طرح کے واقعات کو طبقۂ اعلی کے تصنّع پر محمول کرتے ہین، حالانکہ یہ صحیح نہین۔ تمدن کی بلندی کے ساتھ احساسات کا نازک و دقیق ہو جانا لازمی ہے۔

ایک اور وجہ متمدن افراد کے زیادہ متاثر عن الاحساسات ہونے کی یہ ہے

کہ چونکہ ان مین عقل، دوراندیشی وپیش بینی زیادہ ہوتی ہے، اسلیئے بہ نسبت وحشیون کے، وہ نتائج افعال کا اندازہ انکے وقوع سے بہت پیشتر کر لیتے ہین۔ اور اس بنا پر یہ بالکل قدرتی ہی، کہ وقوع واقعات سے بہت پیشتر ہی وہ ان کے نتائج کا اندازہ کر کے حظ یا الم سے متاثر ہونے لگین فرض کرو، کہ ایک بکری ہم نے ذبح کرنے کے لیے خرید کی، مگر چونکہ وہ اپنی قسمت سے ناواقف ہوتی ہی، عین ذبح کے وقت تک اُسے کوئی غم نہین ہوتا۔ برخلاف اسکے انسان کی یہ حالت ہی کہ جس وقت سے اُسے پھانسی کا حکم سُنا دیا جاتا ہے، وہ اُسی وقت سے گھُلنے لگتا ہے۔ اسی طرح انسان جون جون، علم وعقل مین ترقی کرتا جاتا ہی، اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آلام ولذات دونون کے اسباب بڑھاتا جاتا ہے، اور اکثر حالات مین اصل واقعات غم ومسرت سے زیادہ ان چیزون کا تصور روح فرسا یا خوش آیند ہوتا ہے[1]۔

پھر انسان کی محض عقل یا پیش بینی ہی نہین، بلکہ اسکی تمدن زائیدہ صناعیان ودستکاریان، ریل، تار، جہاز، ہوائی جہاز، اور آلات حرب، جہان ایک طرف اسکے اسباب راحت ومسرت مین اضافہ کرتے ہین،

[1] اسکا تجربہ ہر شخص کو اپنی زندگی مین ہوا ہوگا، کہ اکثر آیندہ مصائب کا تصور خود ان مصائب سے بڑھکر تکلیف دہ ہوتا ہے۔ غالب نے خوب کہا ہے ؎

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلاست
قعر دریا سلسبیل وروی دریا آتش ست

وہان دوسری طرف اسکی تکلیف و بربادی کا سامان بھی اپنے اندر رکھتے ہین۔

(۴) مختلف احساسات معاشری وقعت و قیمت کے لحاظ سے مختلف طبقات مین رکھے جاسکتے ہین۔

ہمارے احساسات، اگرچہ من حیث الاحساس، سب کے سب مساوی درجہ کے ہین، تاہم بازار معاشرت مین انکی قیمتین مختلف ہین۔ بعض احساسات پست وادنیٰ خیال کیے جاتے ہین، بعض بلند و اعلیٰ، اور پھر بعض بلندتر و اعلیٰ تر۔ یہ فرق مراتب محض اٹکل کی بنا پر نہین، بلکہ ایک خاص اُصول کے ماتحت ہے، یعنی

جو احساسات بقاے افراد و حفظ نوع سے براہ راست متعلق ہین، وہ ادنیٰ درجہ کے، اور جو اس سے صرف بعید یا بالواسطہ تعلق رکھتے ہین، وہ اعلیٰ درجہ کے خیال کیے جاتے ہین۔ بہ الفاظ دیگر احساسات کی پستی و بلندی کا انحصار لوازم حیات سے علی الترتیب ان کے قریب و بعید تعلق رکھنے پر ہی۔

اس کلیہ کی توضیح چند مثالون سے ہوگی۔ غور کرو، کہ نوع یا نسل کی بقا کا دارومدار کس فعل پر ہی؟ ظاہر ہی کہ عمل زوجیت پر۔ لیکن یہ بعینہ وہ فعل ہے، جسکا علانیہ ارتکاب تو ایک طرف، اس سے تعلق رکھنے والے احساسات کا ذکر تک ہر مہذب سوسائٹی مین سخت معیوب خیال کیا جاتا ہے، اور تمام افعال جو اس فعل کی جانب بعید سا بعید اشارہ کرتے ہین، "فحش" خیال کیے جاتے ہین۔ اسکے بعد اُن

افعال کا نمبر ہے، جو اس عمل کے مقدمات کا کام دیتے ہین، مثلاً کورٹ شپ، اس قسم کے افعال کو اس درجہ شرمناک نہین خیال کیے جاتے، چنانچہ ہم انکے متعلق نسبتاً آزادی سے گفتگو کر سکتے ہین، تاہم انکی بھی حالت عمل پر شرم وحجاب کا پردہ پڑا رہتا ہی یعنی سوسائٹی اسکو جائز نہین رکھتی، کہ ان افعال کا صدور علانیہ ہو۔ اس سے بھی اُتر کر وہ افعال ہین، جن کا تعلق فعل بقاے نسل سے نہایت بعید ہے، مثلاً عورت کا خارجی ذرایع (لباس، زیور، وغیرہ سے) اپنے تئین دلفریب بنانا۔ ظاہر ہی کہ اس زینت وآرائش کا مقصد محض نمائش ہوتا ہی، تاہم اگر شوہر (یا کسی اور خاص شخص) کے علاوہ کسی غیر شخص کی نظر اُس پر پڑ جاتی ہی تو سخت محجوب ہوتی ہی۔ غرض جو احساسات بقاے نسل سے تعلق رکھنے والے افعال سے جتنا زیادہ وابستہ ہوتے ہین، اتنے ہی پست وادنیٰ خیال کیے جاتے ہین۔

یہی حال اُن افعال کا بھی ہی، جن پر افراد کی حیات کا انحصار ہی خیال کرو، کہ جسم کی تمام خارج کردہ کثافتون، یہان تک کہ تھوکنے اور ناک صاف کرنے کا ذکر، مہذب حلقون مین کسقدر مکروہ و ناشائستہ سمجھا جاتا ہے! رفتہ رفتہ جون جون شائستگی و نفاست مزاجی ترقی کرتی جاتی ہی (اور جسکا واضح ترین نمونہ ہمین آجکل کے اونچے طبقہ کی یوروپین خواتین مین ملتا ہے) معدہ، انتڑیان، لبلبہ، شکم، وغیرہ آلات ہضم کا نام لینا بھی سخت بدتہذیبی خیال کیا جانے لگتا ہے۔ کھانا کھانے کا فعل بظاہر اس اصول کے منافی معلوم ہوتا ہے، اور بلاشبہ وہ ایک حد خاص تک

اس کلیہ کے مستثنیات مین داخل ہی، لیکن صرف ایک حد تک، اس سے زائد نہین
کھانا کھانے کی حالت مین دفعتہً کسی اجنبی شخص کا آجانا، کھانے ولے اور آنے والے
دونون کو محجوب کردیتا ہے - ہم خود جب کسی کھانا کھاتے ہوے شخص سے ملتے ہین،
تو کوشش کرتے ہین کہ اسکے کھانے پر ہماری نگاہ نہ پڑے - اسی طرح ضیافتون کے
موقع پر اسکا خاص اہتمام رہتا ہے، کہ کھانے والون کی توجہ، کھانے کی طرف سے
ہٹ کر گفتگو وغیرہ دیگر مشاغل کی جانب مصروف رہے - اور زیادہ اعلیٰ طبقون مین
تو غذا کے ذائقہ کا ذکر تک سخت بدمذاقی تصوّر کیا جاتا ہی - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
کھانا کھانے کا فعل، کلیہ بالا کے معارض نہین، بلکہ ایک حد تک مُفید ہے -

اسکے مقابلے مین اُن مشاغل کو دیکھنا چاہیے، جو قیام حیات سے نہایت
بعید تعلق رکھتے ہین، اور جنھین ہم صرف تفنن طبع کے لیے اختیار کرتے ہین - مثلاً
کسی قدرتی سینری (منظر) یعنی دریا، پہاڑ، سمندر، سبزہ زار، وغیرہ، یا کسی اعلیٰ
انسانی صناعی کو دیکھکر جو احساسات پیدا ہوتے ہین، یا پھر جو احساسات سماعِ
موسیقی سے پیدا ہوتے ہین، نہایت اعلیٰ خیال کیے جاتے ہین، اور جن لوگون
کے یہ احساسات قوی ہوتے ہین، اُنھین "صاحبِ ذوق" و "خوش مذاق"
وغیرہ کا لقب دیا جاتا ہے -

(۵) بعض حالات مین ممکن ہی کہ انبساط، انقباض، اور انقباض،
انبساط کی شکل مین تبدیل ہو جائے -

احساس حظ واحساس الم، جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہین، چونکہ نام ہی کسی ذات اور اسکے ماحول کے درمیان علی الترتیب مطابقت وعدم مطابقت کا، اور یہ بالکل ممکن ہے کہ جو شے پہلے ہمارے مزاج کے موافق تھی، اب ناموافق ہوگئی ہو، یا جو پہلے ناموافق تھی اب موافق ہوگئی ہو، اس لیے انبساط کا انقباض مین، اور انقباض کا انبساط مین تبدیل ہوجانا بھی بالکل ممکن ہے۔ ہم بچپن مین کھیل کود، اُچک پھاند پر جان دیتے تھے، لیکن اب سِن رسیدہ ہوکر اس سے نفرت کرنے لگے ہین۔ بعض غذائین اب ہم رغبت سے کھانے لگے ہین، حالانکہ چند سال پیشتر انکی صورت سے کراہت آتی تھی۔ سردی کے موسم مین برف کو چھونا تک گوارا نہ تھا، مگر گرمیون مین اُسے ذوق وشوق سے ہاتھون ہاتھ لے رہے ہین۔ یہ تمام واقعات اسی کلّیہ بالا کے نظائر ہین۔ اس "استحالۂ احساسات" کے اسباب حسب ذیل ہو سکتے ہین :-

(الف) ذات مین تغیر۔ مثلاً عمر مین نشوونما، دفعۃً کسی مرض مین مبتلا ہو جانا، وغیرہ

(ب) ماحول مین تغیر۔ مثلاً اختلاف موسم، تغیّر آب وہوا، وغیرہ

یہ دونون صورتین غیر ارادی ہوتی ہین اور علی العموم دفعۃً۔ لیکن جو صورت انسان کے تصرف واختیار مین ہی، اسکا نام ہے

(ج) مشق وتمرین۔ یعنی ناموافق چیزون کی تدریجی مزاولت

کرکے ان کو ناموافق بنا لینا اور ان کا خوگر ہو جانا، اور اسکے بالعکس۔
[رہین اکتساب عوائد کی عملی تدابیر، تو اولاً اس بحث کے چھیڑنے کا یہ پورا محل نہین، دوسرے ہم اسکی تفصیل اپنے ایک علیحدہ مضمون مین کر چکے ہین۔]

(۶) آلام کی طرح لذات کبھی تیز و شدید نہین ہو سکتین۔
دیکھا ہو گا، کہ شدید درد کی حالت مین لوگ ساری رات کروٹین بدلتے رہتے ہین، اور کسی پہلو کل نہین پڑتی۔ فرط غم کی حالت مین پچھاڑین کھاتے ہین، اور سینہ کوبی کرتے کرتے اپنے تئین ہلکان کر ڈالتے ہین۔ لیکن فرط مسرت مین کبھی یہ بیتابی و بے قراری طاری ہوتے نہ دیکھی ہو گی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ انبساط نام ہے معتدل ورزش اعصاب کا، اور انبساط کا اطلاق اس پر اسی وقت تک ہو سکتا ہے، جب تک اُس مین اعتدال قائم ہے، اور جہان انبساطی کیفیت اپنے حُدود سے متجاوز ہوئی، وہ بجائے خود ایک کرب و الم بن جاتی ہے۔ اطمینان، سکون، چین، کل، راحت کے حدود مقرر ہین۔ لیکن اضطراب، بیقراری، بیچینی، بیکلی، وکرب کی کوئی انتہا نہین ہو سکتی۔

احساس کا نظریہ مع اسکی اہم تفریعات کے بیان ہو چکا۔ اب صرف یہ کہدینا رہ گیا ہے، کہ احساس، جسکے دو رُخ ہین، ایک حظ و انبساط، اور دوسرا الم و انقباض، وجدان کی منزل اولین کا نام ہے۔ وجدان جس وقت تک سادہ

مفرد، یا بسیط حالت مین رہتا ہے، احساس کہلاتا ہے، اور جب پیچیدہ، مرکب یا مخلوط شکل اختیار کرلیتا ہے، تو جذبہ کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ گویا، احساسات عناصر و مفردات ہین جذبات کے، یعنی جذبات کی جب تحلیل کی جاتی ہے، تو آخرکار احساسی کیفیات پر آکر ٹھہرتے این۔ جذبات کی ماہیت اور مہمات جذبات کی تشریح آیندہ ابواب کا موضوع ہے۔

ماہیت جذبات

کسی شے کی ماہیت ذہن نشین کرانے کے دو طریقے مروج ہین - ایک یہ کہ جس شے کا ناظرین سے تعارف کرانا مقصود ہو، اسکی جنس و فصل تلاش کر کے، تعمیمات مجردہ کے ذریعہ سے، اسکی ایک منطقی تعریف ترتیب دیدی جائے - دوسرے یہ کہ مختلف مادی مثالون کی مدد سے اسکی تصویر نظر کے سامنے پھر جائے - پہلی صورت مین انسان مرعوب ہو کر ساکت ضرور ہو جاتا ہے، لیکن اس سے ذہن مین کوئی اذعانی کیفیت نہین پیدا ہوتی؛ بخلاف اسکے دوسرا طریقہ گو بظاہر سطحی معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے مخاطب کی دلی تشفی ہو جاتی ہے، اور اسکا ذہن اصل مسئلہ کی کیفیت کو پورے طور پر احاطہ کر لیتا ہے - ہم نے رسالۂ ہذا مین تمام تر اسی دوسرے طریقے سے کام لیا ہے، اور ماہیت جذبات کے بیان مین اس کا خصوصیت کے ساتھ خیال رکھینگے -

فرض کرو کہ ایک بندرگاہ مین ساحل بحر پر بہت سے لوگ ایک جہاز کی آمد کا انتظار کر رہے ہین، کہ اتنے مین افسران بندرگاہ مین سے ایک شخص مضطربانہ آتا ہے اور پکار کر کہتا ہے، کہ "ابھی ایک تار برقی سے معلوم ہوا، کہ جہاز فلان مقام پر ایک چٹان سے ٹکرا کر غرق ہوگیا اور یہ تصادم اتنا سخت تھا کہ ایک متنفس بھی زندہ نہ بچ سکا،، ان الفاظ کا ہوا مین گونجنا تھا، کہ اس مجمع کی وضع وہیئت مین نمایان تغیرات پیدا ہوگئے۔ مثلاً پہلے جو لوگ اطمینان و بےفکری سے ٹہل رہے تھے، اب اپنی اپنی جگہ پر ٹھٹک کر رہ گئے؛ جو لوگ فراغت و دلجمعی سے لیٹے ہوے تھے، گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوے؛ اور جو لوگ خوش گپی مین مصروف تھے، دفعۃً بیقرار ہوگئے، غرض سطرح کی بیسیون نئی کیفیات اس مجمع پر طاری ہوگئین۔ لیکن ہم چونکہ اس وقت صرف افراد کے تغیرات ذہنی سے بحث کر رہے ہین، اسلیے جماعت پر بحیثیت مجموعی جو جو اثرات پڑے، اُن سے قطع نظر کرکے یہان محض یہ دیکھنا چاہتے ہین، کہ مختلف افراد پر اس واقعہ نے فرداً فرداً کیا اثر کیا۔ مگر چونکہ افراد بھی نہایت کثیر التعداد ہین، اسلیے ہم سہولت کی غرض سے ان مین سے صرف چار آدمیون کو انتخاب کرتے ہین، جو تاثرات نفسی کے لحاظ سے گویا ساری جماعت کے نمایندہ ہین۔ غور سے دیکھو کہ ایک ہی واقعہ کا ان افراد اربعہ پر کیا اثر پڑتا ہے! ان مین سے ایک شخص شدت سے گران گوش ہے، اور ہم دیکھتے ہین کہ وہ بالکل غیر متاثر رہا، کیونکہ جس طرح وہ پہلے ایک گوشہ مین اس مجمع کی طرف پشت کیے ہوے لیٹا تھا، اسی طرح

اب بھی باطمینان لیٹا ہے - ایک دوسرا شخص جو اپنی وضع وقطع سے اس ملک کا
باشندہ نہین معلوم ہوتا، اُسنے اس خبر کو سُنا، لیکن وہ بھی کچھ زیادہ متاثر نہین نظر آتا،
کیونکہ ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک ذرا دیر کے لیے ٹھٹک کر اسے سُننے تو لگا تھا، اور اپنی
صورت بھی تاسف آمیز بنا لی تھی، مگر اب پھر بدستور ٹہل رہا ہے - ایک تیسرا شخص البتہ
زیادہ مغموم نظر آتا ہے، اس لیے کہ وہ اس خبر کو سُن کر بے اختیار رو پڑا، اور اب تک
اُسکی آنکھون سے آنسو جاری ہین - چوتھے شخص کی حالت اس سے بھی ابتر ہے -
اُس نے جونہی اس خبر کو سُنا، وہ معًا غش کھا کر گر پڑا، اور گو دیر کے بعد ہوش آگیا،
لیکن حواس اب تک بجا نہین - سارا جہان اسکی نظر مین تیرہ و تار ہے، اور وہ
فرط غم سے بیخود ہو رہا ہے -

اب فرض کرو کہ اسی اثنا مین بندرگاہ کے کسی دوسرے حصہ مین آگ
لگتی ہے - سماعت سے محروم شخص اب بھی مجمع کی طرف پشت کیے غیر متحرک لیٹا ہی
علیٰ ہذا وہ شخص بھی، جو پہلی خبر سے بالکل بدحواس ہو گیا تھا، ابکی بار بالکل غیر متاثر
رہا تیسرا شخص جو بربادی جہاز پر رو پڑا تھا، وہ بھی ابکی مرتبہ بہت زیادہ متاثر نہین
معلوم ہوتا، کیونکہ آتش زدگی کی اطلاع پا کر کچھ دیر تو وہ ساکت رہا، البتہ اب دوسرون کو
آگ بجھانے کے لیے دوڑتے دیکھکر وہ خود بھی اسی طرف قدم اُٹھا رہا ہے - مگر وہ
شخص جو پہلی بار برائے نام متاثر ہوا تھا، ابکی دوڑ پڑا، اور آگ کے فرو کرنے مین
نمایان حصّہ لے رہا ہے -

یہ ان لوگون کے خارجی تاثرات تھے، اب اس تفاوت اثر کی تفتیش انکی اندرونی و نفسی کیفیات مین کرنا چاہیے۔ پہلا شخص دونون صورتون مین بالکل غیر متاثر رہا، جسکی وجہ ظاہر ہی، کہ چونکہ وہ گران گوش تھا، اسلیے اُسے ان واقعات کی اطلاع ہی نہین ہوئی۔ دوسرا شخص ایک غیر ملکی باشندہ ہے، جسے اس ملک کے باشندون سے کوئی خاص تعلق یا ہمدردی نہین، اور جو بندرگاہ پر محض سیاحت و تفریح کی غرض سے آیا ہے۔ اُسے غرق شدہ جہاز پر بہت سی جانون کا ضایع ہونا معلوم کرکے عام انسانی اخوت کے خیال سے کسی قدر تاسف تو ضرور ہوا، لیکن اس کا اسکے اوپر کوئی خاص و نمایان اثر نہین پڑا۔ اُسکا یہ تاسف مٹ ہی چکا تھا، کہ سامنے آتش زنی کو دیکھکر اسے خیال گذرا، کہ اپنے ابنائے جنس کے جان و مال کی حفاظت ابھی اسکے امکان مین ہے، اور اس خیال سے وہ آگ بجھانے مین مصروف ہوگیا۔ چوتھے شخص کی پہلی صورت مین غشی کی وجہ یہ ہوئی، کہ اسکا اکلوتا لڑکا، جو کئی سال کے کامیاب سفر کے بعد واپس وطن ہو رہا تھا، اسی جہاز پر سوار تھا۔ اس شخص کے خاندان مین بجز اس لڑکے کے اب کوئی زندہ نہ تھا، اور اسکی تمام توقعات اسی کے دم سے وابستہ تھین، اسی بنا پر اس شخص کو بیحد صدمہ ہوا، اور آتش زنی کی اطلاع سے اسکے غم مین کوئی اضافہ نہ ہوسکا۔ تیسرے شخص کی حالت بھی اسی آخرالذکر شخص سے کچھ ملتی جلتی تھی۔ اسکا ایک عزیز دوست اسی جہاز مین سوار تھا، اور اسی دوست کی محبت کی مناسبت سے اُسے رنج بھی ہوا، یہ ابھی

اسی غم مین مبتلا تھا، کہ آتش زدگی کی اطلاع ہوئی۔ تھوڑی دیر تک یہ اپنے پہلے اور زیادہ گہرے غم کے سامنے اسے بھولا رہا، اسکے بعد دوسرون کو دیکھکر خود اسے بھی کچھ احساس ہوا، اور آخر کار آگ بجھانے مین مدد دی۔

ان مثالون کی مدد سے جذبہ کے متعلق خصوصیات ذیل منتزع کیے جاسکتے ہین،

(۱) ہر جذبہ کی تکوین کے لیے لازمی ہے کہ انسان کو پہلے کسی واقعہ کا علم ہو لے[۱]

ایک محروم السماعت شخص کو غرق جہاز اور آتش زدگی کا علم وقوف ہی نہ ہو سکا اسی لیے اسپر کسی قسم کا جذبہ بھی نہین طاری ہوا۔

(۲) جذبہ کی قوت اس قوت کے متناسب ہوتی ہے جو نفس اور مہیج کے درمیان ہوتا ہے۔

یعنی انسان کا تعلق ایک جذبہ انگیز واقعہ سے (جسے یہان اصطلاحاً مہیج کہا گیا ہے) جتنا زیادہ قوی و گہرا ہوگا، اسی نسبت سے وہ اس جذبہ سے متاثر بھی زیادہ ہوگا، اور اگر اسکے تعلقات کم ہوے تو نسبتاً جذبہ کا اثر بھی ہلکا ہوگا۔ چنانچہ مثال بالا مین دیکھو کہ جس شخص کو (اپنے اکلوتے لڑکے کی وجہ سے) سلامتی جہاز سے سب سے زیادہ تعلق تھا، اسی کو اسکی بربادی پر سب سے زیادہ رنج بھی ہوا، اور جس شخص کو (بسبب اجنبیت ملک کے) اس سے برائے نام تعلق تھا، اسے رنج بھی نہایت خفیف ہوا۔ تیسرے شخص کے تعلقات جہاز کی سلامتی سے اپنے ایک دوست کے

---

[۱] علم کیلیے (جیسا کہ ہم ایک گذشتہ باب مین اشارہ کر چکے ہین) یہ ضروری نہین کہ خارج ہی سے حاصل ہوا ہو، بلکہ خود مراکز عصبی کی براہ راست تحریکات کی کیفیات محصلہ کو بھی علم کہہ سکتے ہین۔

باعث) اوسط درجہ کے تھے، اسی لیے اسکے صدمہ کی حالت بھی بین بین رہی۔

(۳) ہر جذبہ کی تکوین کے لیے لازم ہے کہ اس وقت نفس کسی قوی تر جذبہ سے متاثر نہ ہو۔

مثال بالامین ناظرین نے دیکھا ہوگا، کہ جس شخص کو غرق جہاز پر سب سے زیادہ صدمہ پہنچا تھا، وہ آتش زدگی کی خبر سے بالکل غیر متاثر رہا، جسکا باعث صرف یہ ہے کہ وہ آخرالذکر خبر کے وقت ایک قوی تر جذبہ سے مغلوب تھا، اور قوی جذبات کے سامنے ضعیف جذبات غیر متاثر رہتے ہین۔ برخلاف اسکے وہ اجنبی باشندہ جس پر آتش زنی کی اطلاع کے وقت کوئی جذبہ طاری نہ ہوا تھا، اس خبر سے سخت متاثر ہوا۔ اسی طرح وہ باقی ماندہ تیسرا شخص، جسقدر پہلے متاثر ہوا تھا، اسکی نسبت بالعکس سے پچھلی بار متاثر ہوا۔

(۴) جذبہ اور وقوف مین نسبت معکوس پائی جاتی ہے۔

جذبہ اور وقوف اگرچہ ایک دوسرے سے قطعًا علیحدہ نہین ہو سکتے، تاہم اپنی نمو یافتہ حالت مین یہ دونون گویا ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہین۔ یعنی انسان کسی وقت جذبات قوی سے جتنا زیادہ متاثر ہوتا ہے، اسی نسبت سے اسکے قوائے مفکرہ ماند پڑ جاتے ہین۔ یہ اسی قانون کا نتیجہ ہے، کہ انسان شدت یاس وغم مین خود اپنی جان ومال کو نقصان پہنچاتا ہے، طیش وغضب مین انجام کار پر نظر نہین رکھتا، جوش عشق مین مجنونانہ افعال کر بیٹھتا ہے، غرض ہر قوی جذبہ کی

حالت مین اس سے کچھ نہ کچھ ایسے حرکات ضرور سرزد ہوتے ہین جنھین وہ سکون کی حالت مین عبث، یا کم از کم مہمل، ضرور سمجھتا ہے۔ مثلاً، تمثیل بالا مین جو شخص غرق پسر پر مصروف ماتم ہے، اُسے اس وقت کوئی ہر چند سمجھائے، تشفی دے، تلقین صبر کرے، لیکن وہ سینہ کوبی کرنے، آنسو بہانے، شور مچانے، اور اسی طرح کی دیگر حرکات اضطرابی سے باز نہین رہ سکتا، حالانکہ کچھ عرصے کے بعد وہ خود اس امر کا اعتراف کریگا، کہ تلافی مافات کے لیے اسکے یہ تمام افعال قطعاً بے سود تھے۔

(۵) تکوین جذبہ کا ایک لازمی جزو، اعضائے خارجی مین کچھ تغیرات کا وقوع ہے۔

تمثیل بالا مین سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ آخر ایک عالم نفسیات کو یہ علم کیونکر ہوا کہ فلان فلان اشخاص جذبہ سے متاثر ہوے؟ نیز یہ کہ اُن مین سے فُلان زیادہ متاثر ہوئے، فلان کم؟ ظاہر ہی کہ محض اُن تغیرات جسمی کے مُشاہدہ سے جو جماعت مفروضہ کے بعض افراد مین واقع ہوے۔ مثلاً جن لوگون کو ہمنے دیکھا، کہ بدستور اپنی حالت پر برقرار و ساکن رہے، انکی نسبت یہ حکم لگا دیا کہ وہ بالکل غیر متاثر رہے اور پھر جس شدت و خفت کے ساتھ افراد متاثر عن الجذبات کے چہرہ و جسم سے آثار کرب و اضطراب ظاہر ہوے، اسی نسبت سے انکی جذبہ پذیری کے مدارج ٹھہرائے گئے۔

(۶) جذبہ کے طاری ہونے کے بعد انسان اپنے تمام تجربات کو اسی کے رنگ مین محسوس کرتا ہے۔

جذبات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انسان جب ان سے متاثر ہوجاتا ہے، تو کچھ عرصے تک جو شے اسکے سامنے پڑجاتی ہے، عام اس سے کہ اُسے اس جذبہ سے تعلق ہو یا نہ ہو، وہ اسے جذبہ ہی کی آنکھون سے دیکھتا اور جذبہ ہی کے کانون سے سُنتا ہے۔ فرط غضب مین انسان ہر شے پر خواہ وہ کتنی ہی غیر غضب انگیز ہو، اپنا غصہ اُتارنا چاہتا ہے، اور اگر کچھ اوُنہین ملتا، تو کبھی کبھی اپنی ہی چیزین توڑنے اور برباد کرنے لگتا ہے، یا اپنے مُنھ پر طمانچہ لگانا شروع کردیتا ہی۔ اسی طرح افسردگی کے عالم مین انسان کو گرد و پیش کی ہر شے اُداس و دُھندلی نظر آتی ہی، اور خوشی کی حالت مین روشن و نشاط انگیز معلوم ہوتی ہی۔ تمثیل بالا مین جو شخص اب مقطوع النسل رہ جانے کے باعث آہ و زاری مین مشغول ہے، فرض کرو کہ اسکا کوئی زندہ دل دوست اسکے پاس آکر گانے بجانے لگتا ہے، تو کیا اس سے اسکے غم مین کچھ بھی تخفیف ہوگی؟ مطلق نہین، بلکہ سُریلی آوازون مین اسے کرختگی محسوس ہوگی، اور یہ سامان تفریح اسکے لیے آلۂ تعذیب ہوجائے گا۔

سطور بالا مین جذبہ کے خصائص مہمہ بیان ہوچکے یہ مختلف جذبات پر فرداً فرداً کہان تک منطبق ہوتے ہین؟ اسکا جواب ہر شخص اپنے ذاتی تجربہ سے دیگا تاہم اس سے متعلق کچھ اشارات صفحۂ آیندہ مین بھی ملینگے۔ اس موقع پر ہمارا مقصود صرف یہ بتانا ہی، کہ ہر جذبہ کن عناصر سے مرکب ہوتا ہے؟ مطالعۂ باطن کی طرف رجوع کرنے سے اتنا بآسانی دریافت ہوسکتا ہی کہ جذبہ کے اجزاے ترکیبی حسب ذیل ہوتے ہین:۔

(الف) ایک قوٰنی کیفیت یعنی مہیج کا علم، مثلاً کسی عزیز کی خبر مرگ کوئی پرجوش داستان، کوئی مضحک واقعہ۔

(ب) ایک خالص احساسی کیفیت۔ یعنی حظ یا کرب، انبساط یا انقباض، لذت یا الم کا احساس (مختلف مدارج کے ساتھ۔

(ج) کچھ جسمانی تغیرات۔ مثلاً آنسو بہنا، تیوریان چڑھ جانا، ہنسنے لگنا وغیرہ

اتنے جزو پر عامی و عالم سب کو اتفاق ہی، کہ تکوین جذبہ مین انہی عناصر ثلثہ کا وجود ہوتا ہے۔ یہ بھی مسلم ہی، کہ ہر جذبہ کی ابتدا، کیفیت (الف) سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ سخت مختلف فیہ ہی، کہ (ب) اور (ج) مین ترتیباً کون جزو مقدم اور کون مؤخر ہوتا ہے؟ جس ترتیب سے یہ اجزا ہم نے یہان درج کیے، بادی النظر مین وہی ترتیب صحیح معلوم ہوتی ہے، اور چند سال پیشتر تک تمام علماء نفسیات اسی کو تسلیم کرتے تھے۔ یعنی ان کے نقطۂ خیال سے، تکوین جذبہ کی صورت یہ ہوتی ہی، کہ تاثیر مہیج سے فوراً ہی نفس مین حظ یا الم کی ایک وجدانی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور پھر اس وجدانی کیفیت کے معلول کے طور پر ہم مین کچھ جسمانی تغیرات ہوتے ہین۔ جذبہ کا جوہر حقیقی وہی وجدانی کیفیت ہوتی ہی اور یہ تغیرات جسمانی اسکے آثار یا مظاہر ہوتے ہین۔ اُنیسوین صدی کے رُبع آخر کے اوائل تک بھی نظریہ مقبول تھا، لیکن ۱۸۸۴ء مین دو مشہور محققین پروفیسر جیمس[۱]

[۱] ولیم جیمس، ہرورڈ یونیورسٹی (امریکا) مین پروفیسر، اپنے زمانے مین نفسیات کا اعظم ترین عالم تھا، سال وفات ۱۹۱۰ء عیسوی

ڈاکٹر لینگ[1] نے یہ دعویٰ پیش کیا، کہ ترتیب زمانی کے لحاظ سے (ج) کو (ب) پر تقدم حاصل ہے یعنی تاثیر مہیج سے فوراً ہی نظام جسمانی مین کچھ تغیرات واقع ہوتے ہین، اور ان تغیرات کے بعد، اور بطور ان کے معلول کے، نفس ایک کیفیت جداگانہ سے متحسس ہوتا ہے۔ حال مین ایک فرنچ عالم نفسیات پروفیسر ریبو نے "جمیس + لینگ" کے نظریہ سے اصولاً اتفاق کرتے ہوے ایک ترمیم یہ پیش کی ہے، کہ (ب) اور (ج) دو مختلف اور مستقلاً علیحدہ کیفیات ہی نہین، بلکہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ، ایک ہی واقعہ کے دو مظاہر ہین، اور اسلیے انکے درمیان فصل زمانی ہوتا ہی نہین جسکی بنا پر ایک کو دوسرے پر مقدم کہا جا سکے۔ ابتدا مین ان نظریات کی نہایت شدید مخالفت ہوئی، جس کا کچھ سلسلہ اب تک قائم ہے، مگر اب اس مین اگلا سا زور و شور باقی نہین رہا، بلکہ قابل لحاظ حلقون مین انھین روز بروز قبول حاصل ہوتا جاتا ہی مولف ہذا کے نزدیک بھی یہی نظریات زیادہ قرین حقیقت ہین، اس لیے صفحات آیندہ مین جذبات کی تحلیل و تشریح انھین کے مطابق کیجائیگی، لیکن ساتھ ہی ان نظریات پر جو اعتراضات کیے گئے ہین، انکی اہمیت بھی نظرانداز نہین کیگئی ہے۔

اس سلسلہ مین سب سے پہلے یہ بات دیکھنے کے قابل ہو کہ آیا جسمانی تغیرات کے بغیر کسی جذبہ کی تکوین ممکن ہو؟ کیا یہ ممکن ہو کہ ہمین غصہ تو آجائے لیکن

[1] ڈاکٹر لینگ کوپن ہیگن یونیورسٹی (ڈنمارک) مین پروفیسر عضویات کا مشہور عالم تھا۔

پیشانی پر بل نہ پڑنے پائے، چہرہ نہ سُرخ ہونے پائے، نتھنے نہ پھولنے پائین آنکھین نہ اُبھرنے پائین، مُنہ سے کف نہ نکلنے پائے، غرض کوئی جسمانی تغیر نہ ہونے پائے؟ کیا یہ ممکن ہو کہ کوئی شخص شہوت جنسی سے متحسس ہو، لیکن اعضائے تناسل مین مطلق انتعاظ نہو؟ کیا یہ ممکن ہو کہ کسی شخص پر دہشت کی کیفیت طاری ہو جائے، لیکن بدن مین رعشہ پڑجانا، تنفس کا تیز ہو جانا، چہرے کا زرد پڑجانا، حرکات قلب کی رفتار بڑھ جانا، یہ یا اسی قبیل کی دوسری علامات "دہشت نہ پیدا ہونے پائین؟ ہمکو توقع نہین، کہ ناظرین مین سے کوئی شخص بھی ان سوالات کا جواب اثبات مین دے سکے - یہ بے شبہ بالکل سچ ہو کہ ہم تغیرات جسمانی کو علٰحدہ رکھکر، غصہ، دہشت، یا شہوت جنسی، کا مجرد تصور یا خیال کرسکتے ہین لیکن یہ محال ہو کہ آثار جسمانی کے بغیر وہ ناممکن التعبیر وجدانی کیفیت پیدا ہو سکے، جس پر ہم جذبہ کا اطلاق کرتے ہین - جذبہ اور جذبہ کا تصور، یہ دو بالکل متباین چیزین ہین - جذبہ کا تصور، تو بلا کسی قسم کے جسمانی تغیر کے پیدا ہو سکتا ہو، لیکن خود جذبہ بغیر ان کے نہین پیدا ہو سکتا - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہو، کہ آثار جسمانی جذبہ سے خارج و علٰحدہ کوئی چیز نہین، بلکہ تکوین جذبہ مین حظ یا الم کی جو وجدانی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اسکے وجود کے لیے تغیرات جسمی کا واقع ہو چکنا ناگزیر ہے -

اس مقدمہ پر اس تجربہ کا بھی اضافہ کرو، کہ جب ہم ایک خاص طرز سے اپنے بعض اعضائے جسم مین تغیرات پیدا کر لیتے ہین، تو بغیر کسی مہیج خارجی کے، اُن

آثار جسمانی کے متناسب' ایک احساسی کیفیت از خود پیدا ہو جاتی ہے۔ جو لوگ
تھیٹر مین مختلف پارٹ کیا کرتے ہین' ان کا بیان ہے' کہ جن جذبات کی تصویر'
وہ الفاظ اور حرکات و سکنات کے ذریعہ سے حاضرین کے سامنے پیش کرنا
چاہتے ہین' اکثر اُن مین واقعۃً وہی جذبات پیدا ہو جاتے ہین۔ مثلاً جو شخص اپنی
زبان و جسمانی نقل و حرکت سے قزاق کا نمونہ دکھاتا ہے' اسکے دل مین واقعی
تھوڑی دیر کے لیے شقاوت و تشدد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے' یا جو شخص ایک
بیکس بیوہ کا پارٹ کرتا ہے' وہ درحقیقت کچھ عرصہ کے لیے غم و صدمہ سے
متالم رہتا ہے۔ یہ بے شبہ سچ ہے کہ بعض مرتبہ اس تجربہ کے خلاف بھی واقع ہوتا
ہے' یعنی انسان اپنے اوپر کسی جذبہ کے آثار جسمانی طاری کرنے کے باوجود بھی
اس جذبہ سے متحسس نہین ہوتا' لیکن ان صورتون مین انسان کو بعض اُن عضلات
و اعصاب مین بھی حرکات دینا لازمی ہے' جو اسکی قوت ارادی کے تصرف و دسترس
سے باہر ہین' اور اسلیے ان مواقع پر کل لازمی جسمانی تغیرات ہی نہین ہونے پاتے'
پس ان مثالون کا وجود اُس عام تجربہ کے معارض نہین۔ پھر اتنی
بات کی تصدیق ہر شخص اپنے ذاتی تجربہ کے بعد کرسکتا ہے' کہ اگر کوئی شخص متصل
چند منٹ تک اپنی صورت مغموم بنائے رکھے' تو وہ خواہ مخواہ افسردگی و اداسی
محسوس کرنے لگے گا۔ یا اگر کوئی شخص ایک کافی وقت تک اپنے تئین بہ تکلف خندہ پیشانی
اور اپنے چہرے کو بشاش رکھے' تو وہ خود بخود زندہ دلی محسوس کرنے لگے گا۔

مین نے سُنا ہے کہ امامیہ مذہب کی کتب حدیث مین ایک حدیث اس مضمون کی ہے کہ جو شخص حسنین پر روئے، یا دوسرون کو رُلائے، یا اپنی رونی صورت بنائے، وہ سب مساوی ثواب کے مستحق ہونگے۔ یہ حدیث صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن اس مین شبہ نہین، کہ اسکے اندر علم النفس کا ایک اہم نکتہ مضمر ہے، جس پر عوام کی نگاہ نہین پڑتی، عوام کہتے ہین، کہ غمگین صورت بنانے والون کو غمزدہ سے کوئی واسطہ نہین لیکن اپنے نفس کے تجربہ کے بعد ہر شخص کہہ سکتا ہے، کہ کافی مدت تک غمناک صورت بنائے رکھنے کے بعد ممکن نہین کہ انسان واقعی غم نہ محسوس کرے۔

اس ضمن مین یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے، کہ مؤلف ہذا نے ایک لڑکے پر عمل ہپناٹزم کرکے اس سے فرمائش کی، کہ اسکی زبان خشک ہوجائے، چہرہ زرد پڑجائے، دل دھڑکنے لگے، جسم مین رعشہ پڑجائے، غرض احکام ہپناٹزم کے ذریعہ سے اس پر تمام علامات خوف طاری کردیے، لیکن خود خوف یا دہشت کا کوئی لفظ زبان سے نکالا تک نہین۔ مگر جب معمول بیدار ہوا، اور اُس سے خواب ہپناٹزم کی سرگذشت دریافت کیگئی، تو اُس نے بیان کیا، کہ وہ حالت خواب مین کسی چیز سے ڈرگیا تھا۔ مگر جب یہ دریافت کیا گیا، کہ وہ کس شے سے ڈرگیا تھا؟ تو اسکا جواب وہ صرف یہ دے سکا، کہ "خودبخود"۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اگر مصنوعی ذرائع سے وہ آثار جسمانی پیدا کردیے جائین، جو حالت خوف مین قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہین، تو بغیر کسی واقعی محرک خوف کے، خوف کی جذبی کیفیت

ازخود وجود مین آجاتی ہے۔ اور اسی جذبہ خوف پر دیگر جذبات کو بھی قیاس کرنا چاہیے
مؤلف ہذا نے ہپناٹزم کے ذریعہ سے متعدد بار اس قسم کے تجربات کیے اور ہر مرتبہ
اسی نتیجہ کی تصدیق ہوئی۔

اسی کے ساتھ یہ مقدمہ ملاؤ، کہ اگر ہم کسی جذبہ کے آثار جسمانی کو روک دین تو
اس جذبہ کی وجدانی کیفیت بھی ہم مین نہ پیدا ہوگی مثلاً ایک فعل ایسا ہے،
جسکا ارتکاب جب ہمارے روبرو ہوتا ہے ہمین غصہ آجاتا ہے۔ ایکی مرتبہ ہم نے
عزم کرلیا، کہ آیندہ جب وہ فعل ہمارے سامنے واقع ہوگا، ہم اپنے اوپر ہرگز کوئی
علامت غصہ کی نہ طاری ہونے دینگے۔ اب فرض کرو، کہ اس فعل کا ارتکاب ہمارے
سامنے ہوا، لیکن نہ ہمارا ہاتھ اسکے فاعل کی تادیب کے لیے اُٹھا، نہ ہم اپنی
جگہ سے نیم خیز ہوئے، نہ ہماری پیشانی پر ہلکی سے ہلکی شکن پڑی، نہ ہمارے چہرہ
کی رنگت مین ذرہ بھر بھی تغیر ہوا۔ غرض اگر ہمنے اپنے عضلات پر اسقدر قابو حاصل
کرلیا ہے، کہ ہمارے جسم سے غیظ وغضب کی خفیف سے خفیف علامت بھی نہین
ظاہر ہوئی، تو راقم ہذا کا، ذاتی تجربہ کی بنا پر، دعوی ہے کہ خود انسان کے باطن
مین بھی جذبہ کی کوئی وجدانی کیفیت نہ پیدا ہوگی۔

پھر اس دعوے کی بڑی تائید علم الامراض کے مشاہدات سے ہوتی ہے۔
اطبا کے مشاہدہ مین ایسے صدہا مریض آچکے ہین، جنکے بعض اعضا مین فتور
آجانے کے باعث اُن پر بعض جذبات کے آثار جسمانی نہ طاری ہوسکے، اور

اسکا نتیجہ یہ ہوا، کہ اُن مین اُن جذبات کی وجدانی کیفیت بھی نہ پیدا ہوسکی ذیل مین ہم بطور نمونہ کئے دو مثالین درج کرتے ہین، جو پروفیسر ریبوؔ کی کتاب سے ماخوذ ہین۔ (۱) پہلی مثال ایک نوجوان لڑکی کی ہے، جو ایک مرتبہ جگر وطحال کے انجماد خون مین مبتلا ہوئی؛ اس سے دوران خون پر جو اثر پڑا، وہ محتاج بیان نہین، لیکن اسی کے ساتھ اسکی حیات نفسی مین بھی ایک عجیب انقلاب پیدا ہوگیا، زندہ دلی کی جگہ افسردگی نے لی، خندہ جبینی و خوش طبعی کے بجائے مزاج مین چڑچڑاپن آگیا؛ پہلے جو چیزین ہنستے ہنستے لٹا دیتی تھین، اب اُن سے مسکراہٹ تک نہ آتی؛ آخرکار یہ بےحسی اتنی بڑھی، کہ رفتہ رفتہ والدین کی محبت بھی اُسکے دل سے جاتی رہی۔ (۲) دوسرا واقعہ ایک مجسٹریٹ کا ہے، جو حالت صحت مین نہایت

لے قدیم یورپ مین کیمپنیلا نامے ایک شخص گزرا ہے، جو فن فراست (قیافہ شناسی) مین یدِطولےٰ رکھتا تھا۔ اسکی بابت انگلستان کا جادو بیان خطیب برک لکھتا ہے، کہ اس شخص کو قیافہ شناسی کے اصول سے چندان واقفیت نہ تھی، مگر اسکو نقالی و محاکات مین کمال حاصل تھا، جسکے باعث جب جیسی چاہتا، بلاتکلف اپنی صورت ویسی ہی بنا لیتا۔ اس کے پاس جب کوئی شخص اپنے قیافہ کی شناخت کرانے آتا، تو اسکا عام دستور یہ تھا؛ کہ جو آثار و علامات اُس شخص کے چہرہ پر دیکھتا، ہوبہو وہی اپنے اوپر طاری کر لیتا۔ پھر اس محاکات سے جو کیفیات وہ اپنے نفس مین محسوس کرتا، وہی اپنے مخاطب کی طرف منسوب کرکے اُسکے سامنے دُہرا دیتا، اور اس طریقے سے وہ عموماً کامیاب رہتا۔

اسکے آگے خود اپنی ذات کے متعلق اقرار کرتا ہے کہ مین جب کسی غضبناک، مغموم، یا جری شخص کی صورت کا چربہ اُتارتا ہون، تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ مین خود غضب، غم، و جرأت کے جذبات سے اضطراراً متحسس ہونے لگتا ہون۔

دانشمند شخص تھا۔ ایک بار یہ جگر کے کسی مرض مین مبتلا ہوا، جسکا نتیجہ آخر کار یہ ہوا
کہ اسکی حیات احساسی تقریبًا بالکل فنا ہو گئی۔ غصّہ، گرمجوشی، زندہ دلی، ان سب نے
ساتھ چھوڑ دیا۔ حسب عادت قدیم وہ تھیٹر وغیرہ مین اب بھی جاتا، لیکن اب
ان چیزون سے اُسے مطلق حظ نہ حاصل ہوتا۔ یہان تک کہ وہ اپنے وطن،
اپنے گھر بار، اور اپنے اہل وعیال کا ذکر وخیال اس بے تعلقی وبے حسی سے کرتا،
جیسے کوئی اقلیدس کی کسی شکل کا کرتا ہے۔

غرض ان تمام شہادات سے اتنا تو قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ
کیفیات جذبی اور آثار جسمانی کے درمیان تلازم پایا جاتا ہے، نیز یہ کہ یہ تلازم نفیًا
واثباتًا دونون صورتون مین موجود رہتا ہے، یعنی

(الف) جب آثار جسمانی طاری ہوتے ہین، تو ہمیشہ کوئی کیفیت
جذبی موجود ہو جاتی ہے، اور

(ب) جب آثار جسمانی طاری نہین ہوتے، تو کیفیت جذبی بھی
کبھی نہین موجود ہوتی۔

اسی تلازم کا دوسرا نام نسبت تعلیل ہے۔ تو گویا آثار جسمانی کا علت، اور
کیفیات جذبی کا معلول، ہونا ثابت ہو چکا۔ اب گفتگو صرف یہ رہجاتی ہے، کہ آیا یہ
دونون واقعات متعاصر ہین؟ یا ان مین تقدم وتاخر زمانی بھی پایا جاتا ہے؟

پروفیسر جیمس، اور اسکے متبعین یہ جواب دیتے ہین، کہ بیشتر اعضائے جسم

متاثر ہو لیتے ہین، اسکے بعد نفس مین احساس کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور اس طرح
آثار جسمانی کو احساس نفسی پر تقدم زمانی حاصل ہے۔ اس دعوے کی شہادت
غالباً ہر شخص کو اپنے ذاتی تجربہ سے مل سکے۔ یہ اکثرون کا بیان ہی، کہ کوئی دلکش
راگ سُنتے سُنتے، یا کوئی دل آویز ناٹک دیکھتے دیکھتے، قبل اسکے کہ وہ نفس کی کوئی
خاص کیفیت محسوس کرین، دفعتہً سارے جسم مین ایک ہلکی سی جھرجھری پڑجاتی ہی،
اور اسکے بعد یہ محسوس ہوتا ہے، کہ (سامعہ یا باصرہ کی وساطت سے) نفس نے
حظ یا الم کی کسی خاص کیفیت کا احساس کیا۔ خود مؤلف ہٰذا کو بارہا اسکا تجربہ
ہوا ہی، کہ اخبار یا کتاب مین کوئی دردانگیز واقعہ پڑھتے پڑھتے دفعتہً بلا کسی قسم کے
الم واذیت کو محسوس کیے، اسکے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، اور سینے کے اندر
وہ خاص جسمانی کیفیت معلوم ہونے لگی، جسے عرف عام مین "دل بھرآنا" کہتے
ہین، پھر اسکے بعد اسے غم کا احساس نفسی ہوا۔ ایسا ہی تجربہ بعض لوگون کا غصے
سے متعلق ہی۔ وہ جب کوئی تلخ وناگوار بات سُنتے ہین، تو معاً جسم کا بالائی حصہ چمک
اُٹھتا ہی، اور اسکے بعد جذبۂ غضب کا طاری ہونا وہ محسوس کرتے ہین۔

لیکن پروفیسر ریبو، جیسا کہ پیشتر کہا جاچکا ہے، اسکے برخلاف یہ دعوی
کرتے ہین، کہ آثار جسمانی اگرچہ اس حیثیت سے کیفیات جذبی کی علت قرار دیے
جاسکتے ہین، کہ بغیر اول الذکر کے آخر الذکر کا وجود ممکن نہین، لیکن ان دونون کا
وقوع بالکل ایک ساتھ ہوتا ہے، جسمین ایک سکنڈ تک کے آگے پیچھے کو دخل نہین۔

وہ کہتے ہین کہ جس طرح شعور خلایائے مخ کی حرکت سے علحدہ اور اُس سے متاخر کوئی شی نہین، اسی طرح جذبہ اور اُس کے آثار جسمانی بھی کوئی مستقلاً جداگانہ چیزین نہین، بلکہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ، ایک ہی نور کے دو پرتو، ایک ہی علت (یعنی مہیج جذبہ انگیز) کے دو ہمزبان معلول، اور ایک ہی واقعہ کی (نفسی و جسمی حیثیات سے) دو تعبیرین ہین، جن مین سے ایک کو دوسرے سے مقدم و مؤخر قرار دینا بے معنی ہے۔

ان دعاوی پر محاکمہ کرنا ہم ناظرین کے ذاتی تجربہ و قوت فیصلہ پر چھوڑتے ہین۔ تاہم اتنا جتلا دینا ضروری ہی کہ ان دونون نظریات کے درمیان اختلاف، تفریق معنوی سے زیادہ اختلاف لفظی پر مبنی ہے۔

ماہیت جذبات کے اس نظریہ پر بعض مشہور علما نفسیات نے اعتراضات بھی کیے ہین، مگر وہ بآسانی رفع ہوجاتے ہین۔ مثلاً ایک اعتراض یہ ہی کہ اس نظریہ کے مطابق، مظاہر جذبات کے تنوع کی کیا توجیہ ہوسکتی ہی؟ یعنی ایک ہی واقعہ سے احساس کی کیفیت نفسی جو پیدا ہوتی ہے، وہ تو مختلف افراد مین مشترک و یکسان ہوتی ہی، پھر اسکے آثار جسمانی ہر شخص مین دوسرون سے کیون مختلف و متباین ہوتے ہین؟ مثلاً ایک غمناک حادثہ کی خبر پھیلتی ہے۔ ایک شخص کے صرف آنسو نکلتے ہین، دوسرا چیختا ہے، چلاتا ہی، بال نوچتا ہی، کپڑے پھاڑتا ہی، تیسرا سناٹے مین آکر بالکل چپ ہوجاتا ہی۔ پس اگر جذبہ کا جوہر حقیقی تغیرات جسمی

ہین تو معترض کہتا ہے کہ) اُن مین، ایک ہی علّت کے معلول ہونے کے باوجود، باہم اسقدر تباین، بلکہ تخالف کیون ہے؟

لیکن معترض نے شاید اس پر غور نہین کیا کہ یہ اعتراض جذبہ کے متعلق ہر نظریہ پر یکسان وارد ہوتا ہے، جس سے قدیم نظریہ بھی مستثنیٰ نہین۔ یہ مانا کہ جذبہ کا جوہر حقیقی مادی تغیر جسمی نہین، بلکہ کیفیت نفسی ہے، تاہم یہ سوال بدستور قائم رہتا ہے، کہ ایک ہی مہیج، ایک ہی جذبہ انگیز واقعہ، سے مختلف افراد مختلف طرح پر کیون متہیج ہوتے ہین؟ رُوس و جاپان کی جنگ مین روسی سالار لشکر گرفتار ہو جاتا ہے! یہ ایک واقعہ ہے۔ اس خبر کا ایک طرف روس پر یہ اثر پڑتا ہے، کہ تمام ملک مین آہ و شیون کی صدائین بلند ہونے لگتی ہین، عشرتکدے بےچراغ ہو جاتے ہین، ماتمکدے آباد ہو جاتے ہین؛ اور دوسری طرف جاپان پر یہ اثر پڑتا ہے، کہ ساری سلطنت مین مسرت کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے، گھر گھر شادیانے بجنے لگتے ہین، اور ہر پیالہ مین فرحت و انبساط کی شراب اُچھلنے لگتی ہے۔ غور کرو، کہ انبعاث جذبہ کی علت ایک ہی واقعہ ہے، پھر ایک ہی علت کے دو متضاد معلول، ایک ہی مہیج سے دو متناقض کیفیات احساسی (شادی و غم) کیونکر پیدا ہوتے ہین؟ اس الزامی جواب سے قطع نظر کرکے اصل یہ ہے کہ (جیسا ہم اشارہ کر چکے ہین) ہر جدید کیفیت شاعرہ، خواہ وہ وقوفی ہو یا احساسی، ہمیشہ نفس کی کیفیات سابقہ کے تابع ہوتی ہے، یعنی ہر فرد اپنی گذشتہ

تعلیم و طرز زندگی کی بنا پر، اپنے نفس کے اندر جس قسم اور جس درجہ کی استعداد و صلاحیت رکھتا ہی، اسی مناسبت سے اسکا نفس ہر جدید تجربہ کو قبول کرتا، اور اسی مناسبت سے ہر جدید مہیج سے متاثر ہوتا ہی۔ اس کلیہ کو ایک واضح مثال کی مدد سے یون سمجھو، کہ مثلاً ایک شخص اقلیدس کی کسی شکل کا دعوی پڑھکر سناتا ہی، ایک ماہر ریاضی اُسے سُنتے ہی سمجھ جاتا ہی، اور فوراً ہی اُسے ثابت کر دیتا ہی، لیکن جاہل دہقانی اپنے دماغ پر ہزار زور دیتا ہے، مگر اسکی سمجھ مین کچھ نہین آتا، خیال کرو، کہ ریاضی دان، اور جاہل دہقانی، دماغ دونون رکھتے ہین، مہیج بھی دونون مین مشترک ہی، باہمہ ایک خاص مسئلہ کے سمجھنے مین دونون مین کسقدر عظیم الشان فرق ہی! اس تفاوت فہم کا سبب صرف یہ ہے، کہ ایک کا دماغ پیشتر سے تیار تھا، دوسرے کا نہ تھا۔ ایک کے نفس مین سابقہ تعلیم و تجربہ کی بنا پر یہ استعداد موجود تھی، دوسرے کے نفس مین نہ تھی۔ غرض ستفادہ بمناسبت استعداد کا قانون جس طرح عالم مادی مین ہر جگہ جاری ہی، اسی طرح عالم نفسی پر بھی محیط[1] ہی، اور اس اصول کی بنا پر یہ بالکل قدرتی امر ہی، کہ ایک ہی مہیج، ایک ہی جذبہ انگیز واقعہ سے مختلف افراد مختلف طرح پر متاثر ہون، اور یہ تباین خواہ کیفیات احساسی کے لحاظ سے ہو، خواہ آثار جسمی کے

---

[1] غالبؔ رح، جس نے نفسیات کے صدہا مسائل شاعری کے پردے مین بیان کیے ہین، اس عالمگیر کلیہ کو یون شعر کا لباس پہناتا ہے ؎

توفیق باندازۂ ہمت ہی ازل سے
آنکھون مین ہی وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

لحاظ سے۔ پس یہ سوال کہ مختلف افراد مین ایک ہی جذبہ کے آثار مختلف کیون ہوتے ہین بطور اعتراض کے پیش کرنا بجاے خود ایک اصولی غلطی کرنا ہی۔ پھر یہ دعویٰ کرنا بھی واقعیت کے کسقدر خلاف ہی کہ ایک ہی مہیج سے مختلف افراد نفسی حیثیت سے، یکسان و مساوی متاثر ہوتے ہین! واقعہ یہ ہی کہ "حصول باندازۂ صلاحیت" کے قانون مذکورۂ بالا کے مطابق، ایک ہی محرک سے مختلف افراد مین کیفیات احساسی کا مختلف ہونا لازمی ہے اور چونکہ آثار جسمانی کا کیفیات احساسی کے تناسب سے ہونا ناگزیر ہی، پس مختلف افراد مین ایک ہی محرک سے پیدا شدہ جذبات کا مختلف و متباین ہونا بھی لازمی ہی چنانچہ مثال بالا مین ایک غمناک حادثہ کی اطلاع سے مختلف افراد پر مختلف اثرات احساسی طاری ہوے، یعنی ایک شخص کو تھوڑا رنج ہوا، دوسرے کو زیادہ، تیسرے کو بہت زیادہ اور اسی تفاوت احساس کی مناسبت سے انکے آثار جسمانی بھی باہم متباین رہے، یعنی ایک کے صرف آنسو نکلے، دوسرا چیخا، چلّایا، کپڑے پھاڑے، تیسرے کو چپ لگ گئی۔ (جیمس کا نظریہ جو یہان اختیار کیا گیا، اسکی بنا پر ہمین اُن جملون کی ترتیب اُلٹ دینا چاہیے تھا، یعنی یہ کہنا تھا، کہ چونکہ ایک ہی محرک سے مختلف افراد کے قواے جسمانی مختلف طور پر متاثر ہوے، اسی لیے وہ احساس غم سے بھی مختلف طور پر متحسس ہوے۔ مگر سہولت تفہیم کے خیال سے ہمنے یہان وہی اسلوب بیان قائم رکھا، جو عام خیال کے موافق ہی)

ایک اور اعتراض نظریۂ بالا پر کیا جاتا ہی، کہ اگر آثار جسمانی، جذبہ کی ماہیت مین داخل ہین، تو اسکی کیا وجہ ہی، کہ دو متباین جذبات کے آثار بالکل ایک ہوتے ہین؟

آنسو عموماً فرط غم مین نکلتے ہین، مگر کبھی کبھی شدت مسرت مین بھی۔ چہرہ غصہ کے وقت بھی سُرخ ہوجاتا ہی اور ندامت کے موقع پر بھی۔ ہم دوڑتے غصہ مین بھی ہین اور خوف مین بھی

لیکن یہ اعتراض بھی مثل اعتراض سابق کے غلط فہمی پر مبنی ہین۔ یہ دعوی ہرگز صحیح نہین، کہ متباین جذبات کے آثار بالکل متحد ہوتے ہین، ہان یہ ضرور ہوتا ہی کہ وہ باہم بہت کچھ مشابہ ہوتے ہین تاہم انکے درمیان دقیق فرق بھی ہوتے ہین جو اہل نظر سے مخفی نہین رہتے۔ یہ سچ ہی کہ چہرہ، غصہ و شرم دونون مواقع پر سُرخ ہوجاتا ہی، لیکن یہ دونون سُرخیان بھی باہم متباین ہوتی ہین۔ غصہ مین چہرہ تمتما اُٹھتا ہی لیکن ندامت کی سُرخی مین شرم و حجاب کی بھی آمیزش ہوتی ہی۔ غصہ کی سُرخی کا آغاز آنکھ سے ہوتا ہی محبت کی سُرخی کا پیشانی سے، اور ندامت کی سُرخی کا کان و رخسار سے۔ انسان غصہ و خوف دونون حالتون مین دوڑتا ہی، لیکن کیا غضبناک شخص کے جھپٹنے اور خوف زدہ شخص کے بھاگنے مین نہایت نمایان فرق نہین ہوتا؟ اسی طرح آنسو بہانے والے شخص کے چہرہ، کو، بہ یک نظر دیکھنے سے بھی معلوم ہوجاتا ہی، کہ آنسو بہنے کا باعث فرط غم ہی، یا شدت مسرت، یا پھر کسی تیز چیز کا کھا لینا۔ غرض کوئی دو جذبات، اپنے آثار جسمانی کے لحاظ سے، گو کتنے ہی مشابہ ہون، تاہم بالکل متحد نہین ہوتے، اور تشابہ آثار کا باعث یہ ہوتا ہی کہ وہ جذبات خود ایک دوسرے کے مماثل ہوتے ہین۔ آثار جسمانی کی تکوین کے اصول و قوانین کی تشریح اگلے باب مین ملے گی۔

باب (۵)

جذبہ کے مظاہر جسمانی

ناظرین، جذبہ کی ماہیت سے واقف ہوچکے۔ وہ اس امر سے بھی واقف ہوچکے، کہ جذبہ کی تکوین خارجی اور داخلی، یا جسمانی ونفسی، دو مختلف عناصر سے ہوتی ہے ان مین سے آخرالذکر یعنی جذبہ کے داخلی ونفسی عناصر کی تشریح گذشتہ باب مین گذرچکی؛ باب ہذا مین اسکے آثار جسمانی کی تشریح کی جائے گی۔ یہ مسئلہ درحقیقت دو سوالون پر مشتمل ہے :-

(۱) جذبات کے آثار جسمانی کی تکوین کن عام اصول کی تابع ہے ؟ اور

(۲) ہر جذبہ کے آثار جسمانی فرداً فرداً کیا ہوتے ہین ؟ -

سوال دوم کا تمام وکمال جواب دینا ایک رسالہ کی حدود کے اندر بداہتہً ناممکن ہی، البتہ جذبات اساسی کے آثار کی تشریح باب ۷ سے لیکر باب ۱۲ تک ملیگی۔ باب ہذا مین صرف پہلے سوال کا جواب دیا جائے گا۔

جذبہ کے آثار جسمانی، قوانین اربعہ مفصلۂ ذیل کے تابع ہوتے ہین:-

(۱) قانون التزام عوائد مفیدہ-

اس قانون کا منشا یہ ہی، کہ جو حرکات یا تغیرات جسمانی کسی زمانے مین کسی خواہش کے پورا کرنے یا کسی ناگوار احساس کے رفع کرنے مین معین تھے، انسان انھین نسلاً بعد نسلٍ عمل مین لاتے لاتے اُنکا اتنا خوگرفتہ ہوگیا، کہ وہ اُصول توارث کے بموجب اسکے نظام عصبی مین منقش ہوگئے ہین، اور گو اب اُن سے کوئی نفع نہ ہوتا ہو، لیکن ایک ضعیف صورت مین وہ برابر اضطراراً واقع ہوتے رہتے ہین، اور انکی موجودہ ضعیف و ہلکی صورت اُنکے سابق قوی و شدید صورت کی یادگار کا کام دیتی ہے- اس قانون کے شواہد روزانہ زندگی مین نہایت کثرت سے ملتے ہین۔ خطرہ سے بھاگنا، بداہتہً حفظ جان کے لیے ضروری ہے، اور ابتداءً ہمنے اسے یقیناً اپنے ارادہ سے اختیار کیا ہوگا، لیکن اب یہ حالت ہے، کہ کسی معمولی درجہ کے خطرناک نظارہ کو دیکھکر یا کسی مہیب آواز کو سُن کر ہم دفعتہً چونک اُٹھتے ہین- یہ اضطراراً چونک پڑنا یا جھجک اُٹھنا اسی ابتدائی عادت فرار کی ایک ہلکی صورت ہے- جذبۂ خوف، صیانت حیات کا آلۂ ایجابی ہے، یعنی اسی کی اعانت سے ہم اپنے تئین عوامل مہلکہ سے محفوظ رکھتے ہین، لیکن غور کرکے دیکھو تو معلوم ہوگا، کہ خوف کے آثار جسمانی (بدن مین رعشہ پڑجانا، دل دھڑکنے لگنا، آنسو بہنے لگنا، وغیرہ) تمام تر وہی ہین، جو کم و بیش قوت کے ساتھ کسی واقعی تکلیف یا موذی الی الفنا حالت مین انسان پر طاری ہوتے ہین-

غصہ کی حالت مین ہم دوسرے پر جھپٹتے ہین اسے اپنی گرفت مین لانا چاہتے ہین'
اسکی زدو کوب کرتے ہین، مگر ظاہر ہے کہ یہ تمام آثار جسمانی اُن حرکات کی یادگار ہین'
جنھین ہمارے وحشی اسلاف اپنے مخالف کے فنا کرنے یا اپنے شکار کے ہلاک کرتے
وقت عمل مین لاتے تھے - پھر غصہ کی حالت مین ہمارے نتھنے پھول جاتے ہین'
مگر یہ اس لیے کہ تنفس مین سہولت ہو' اور اسکا باعث یہ ہی کہ انسان اپنے ابتدائی
عہد توحش مین جب کسی دشمن یا شکار پر حملہ کرتا، تو اسکا کوئی عضو اپنے منھ مین دبا
لیتا، اور اس طرح چونکہ منہ سے سانس لینے کا راستہ بند ہو جاتا اسلیے ضرور تھا،
کہ ناک کا منفذ تنفس زیادہ وسیع ہو جائے' اور یہ اسی زمانہ کی یادگار ہے کہ آج
غصہ کی حالت مین ہمارے منخرین پھول جاتے ہین - اور پھر اسی جذبہ غضب
یا زیادہ صحیح طور پر طعن کی (جو جذبۂ غضب ہی کی ایک شکل ہی) ایک خاص علامت
بالائی لب کا اوپر سکڑ جانا' اور اوپری قطار کے بعض دانتون کا کھل جانا ہی - اس واقعہ
کی علت اگر تلاش کرنا ہو تو اس امر کو خیال رکھو' کہ ہمارے اسلاف کے اینیاب[1] بہت
بڑے ہوتے تھے - جو فطری آلہ حرب کا کام دیتے تھے' اور اس لیے حملہ کرتے وقت
اُن پر سے گوشت کا پردہ ہٹا لینا' اور ان کو باہر نکال لینا ضروری تھا' (جیسا
کُتّے غرّانے اور حملہ کرنے کے وقت کیا کرتے ہین -) ظاہر ہے کہ آج طنز و طعن کے وقت

---

[1] اینیاب' سامنے کے وہ چار دانت (دو بالائی اور دو زیرین جبڑے مین) ہین' جو کسی غذا (مثلاً گوشت) کے پھاڑنے کا کام دیتے ہین -

یہ فعل کچھ بھی مفید نہین ہوتا، تاہم اسکا وجود ایک گذشتہ مفید فعل کی یادگار کی حیثیت سے باقی ہے۔ یا مثلاً کشتی اور ہاتھا پائی کے وقت جس فریق کا رُخ آفتاب کی تیز شعاعون کی جانب نہ ہوگا، وہ یقیناً فائدہ مین رہیگا، پھر اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھکر دھوپ کی آڑ کرنا چاہے، تو یہ بداہتہً اسکے حق مین مضر ہوگا، پس اسکی بہترین صورت یہ ہی، کہ پیشانی پر از خود ایسی شکنین پڑ جایا کرین، جن سے آنکھین تمازت و خیرگی سے محفوظ رہین۔ اسی کا دوسرا نام تیور پر بل پڑجانا ہے، اور گو آج اس سے غضبناک شخص کا کوئی نفع نہین ہوتا، تاہم بطور ایک گذشتہ فعل مفید کی یادگار کے، اب تک قائم ہے، اور تیوریان چڑھ جانا غصہ کی ایک اہم علامت خیال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس قانون کی صدہا مثالین ہین، مگر ہم نمونہ کے لیے انھین چند پر اکتفا کرتے ہین۔

(۲) قانون ائتلاف آثار جذبات مماثل۔

قانون سابق الذکر سے ملتا جلتا ایک دوسرا کلیہ یہ ہے، کہ جو جذبات نفسی حیثیت سے باہم مشابہ ہوتے ہین، ان کے متلازم آثار جسمانی بھی یکسان ہوجاتے ہین۔ ایک لذیذ غذا سے ہمین جو حلاوت حاصل ہوتی ہے، ویسی ہی لذت ایک لطیف شعر یا مزے دار داستان کے سُننے سے بھی محسوس ہوتی ہی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہی، کہ جو آثار جسمانی ہم پر ایک لذیذ غذا کے کھانے سے طاری ہوتے ہین، انھین کے مماثل آثار لطیف اشعار و مزیدار داستانون کے سُننے سے بھی

پیدا ہوتے ہین۔ ایک تلخ و بدذائقہ غذا سے ہمین استفراغ ہو جاتا ہے۔ لیکن جو دوسرے جذبات اس جذبہ کے مشابہ ہوتے ہین، مثلاً کسی کو نہایت کثیف یا ردی حالت مین دیکھنے سے جو جذبہ پیدا ہوتا ہے، انکے علامات بھی استفراغ کے ابتدائی آثار کے بالکل مماثل ہونے ہین۔ پھر زبان بھی مماثل جذبات کو مشترک اسماء کے ماتحت رکھتی ہے۔ مثلاً شیرینی، کہ اغذیہ واشربہ کی شیرینی کے ساتھ آواز بھی شیرین ہوتی ہے، الفاظ بھی شیرین ہوتے ہین، اور دہن بھی شیرین ہوتا ہے۔ یا مثلاً سرد، کہ موسم کی سردی کے علاوہ، بازار بھی سرد ہوتا ہے، مہر و محبت بھی سرد ہوتی ہے، ولولے بھی سرد ہوتے ہین۔ اور یا مثلاً بلند، کہ علاوہ اشیاء مادی کے، مرتبہ بھی بلند ہوتا ہے، حوصلہ بھی بلند ہوتا ہے، نظر بھی بلند ہوتی ہے، وقس علی ھذا۔ ان معانیِ مختلفہ کے لیے الفاظ کے مشترک ہونے کی خاص وجہ صرف یہ ہے، کہ یہ جن جذبی مفاہیم پر دلالت کرتے ہین، وہ بلحاظ اپنی کیفیات نفسی نیز بہ لحاظ آثار جسمانی کے باہم نہایت مشابہ و مماثل ہوتے ہین۔

(۳) قانون تقابل۔

ہر دو کلیات بالا سے یہ معلوم ہو چکا، کہ بعض جذبات کی کیفیات نفسی پر آثار جسمانی، کچھ اسباب ایجابی کی بنا پر مترتب ہوتے ہین۔ قانون ہذا کا مفہوم یہ ہے، کہ جذبات کے بعض آثار جسمانی محض سلبی اسباب کی بنا پر مترتب ہوتے ہین۔ یعنی اگر ایک جذبہ کے متلازم چند خاص آثار جسمانی ہین، تو جس جذبہ کی کیفیت نفسی اس

جذبہ کی کیفیت نفسی کے متضاد ہوگی اُسکے آثار جسمانی بھی اسکے بالکل متضاد ہونگے،
اور ان آثار کی تکوین مین ذات کی مضرت و منفعت کو کوئی دخل نہین۔ مثلاً جذبہ
غرور مین انسان کا جسم چونکہ تن کر بلند ہو جاتا ہے۔ اسلیے انکسار کی حالت مین جو
اس کا بالکل جذبہ مقابل ہے، آثار جسمانی بھی اول الذکر کے بالکل برعکس ہونگے،
یعنی انسان کا جسم پست اور سکڑا ہوا نظر آئے گا، گو اس سے ذات کو کوئی نفع نہ ہو۔
اس کلیہ کی مثالین بہ نسبت انسان کے حیوانات کی زندگی مین زیادہ واضح و
نمایان نظر آتی ہین۔ فرض کرو، کہ ایک کُتا کسی اجنبی شخص کو تاریکی مین اپنی طرف
آتے دیکھکر اسکی طرف بڑھتا ہے۔ اس وقت وہ غصہ مین ہے اسکے آثار جسمانی
یہ ہین، کہ وہ بالکل سیدھا چل رہا ہے، سارا جسم تنا ہوا ہے سر کسی قدر اُٹھا ہوا ہے
دُم سخت ہو کر اونچی کھڑی ہو گئی ہے، گردن و پشت کے بال کرخت ہو گئے ہین،
کان کسی قدر آگے کی جانب جُھکے ہوے ہین، اور آنکھین آتے ہوے شخص پر
گڑی ہوی ہین۔ یہ تمام حرکات و آثار حملہ مین معین ہین، اور اسلیے انکی توجیہ
کلیات بالا کے مطابق آسانی سے ہو سکتی ہے۔ لیکن فرض کرو، کہ عین اسی حالت
مین وہ پہچانتا ہے، کہ آنے والا شخص اسکا آقا ہے۔ اب دیکھو کہ اسکے تمام آثار جسمانی
ایک صورت معکوس اختیار کیے لیتے ہین۔ دُم کہان تو کرخت و استادہ تھی، اب
فوراً نیچی ہو کر ادھر سے اُدھر جلد جلد جنبش کرنے لگتی ہے۔ بال دفعتہً نرم و ملائم
پڑ جاتے ہین، کان پشت کی جانب جُھک جاتے ہین، لب نیچے کو لٹک آتے ہین،

جسم بجائے سیدھے اور تنے ہونے کے جھک جاتا ہے، اور آنکھین جن سے پہلے خونخواری وغصہ ٹپک رہا تھا، اب لطف ومحبت کا اظہار کرنے لگی ہین - ظاہر ہے کہ ان آخر الذکر آثار جسمانی سے خود کتے کو کوئی نفع نہین ہوتا، لیکن چونکہ اسکی موجودہ کیفیت نفسی پہلی کیفیت نفسی کے بالکل مخالف ہے، لہذا آخر الذکر جذبہ کے آثار بھی اول الذکر جذبہ کے آثار کے برعکس ہوتے ہین حیوانات کے مظاہر جذبات اکثر اور انسان کے مظاہر جذبات ایک محدود تعداد مین اسی کلیہ کے تابع ہین -

(۴) قانون فعلیت نظام عصبی -

کلیات مندرجہ بالا کے علاوہ، اور افادہ مماثلت، وتقابل کے اصولون سے قطع نظر کرکے، نظام عصبی اپنی فعلیت کا ایک طریق مخصوص بھی رکھتا ہے یعنی اسکی فعلیت تمام حصص جسم پر یکسان قوت کے ساتھ محیط نہین، بلکہ مختلف اعضا اس سے متاثر ہونے کے لحاظ سے متفاوت المراتب ہوتے ہین - چنانچہ بعض محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے، کہ سب سے زیادہ اثر پذیر چہرہ کے عضلات ہوتے ہین، پھر سینہ اور احشاء کے، اور پھر سب سے آخر مین جسم کے حصہ اسفل کے - اس ترتیب وتفاوت مراتب کی کوئی علت بجز اسکے نہین ہے کہ یہ خود نظام عصبی کی براہ راست فعلیت کا نتیجہ ہے - پھر بہت سے آثار جذبات ایسے ہین، جو نہ بجائے خود مفید ہین، نہ آثار مفیدہ کے مماثل ہین، اور نہ انکی تکوین کا باعث کسی مخصوص آثار کا تقابل ہے - مثلاً جذبہ کا ایک مظہر بالون کا دفعۃً سفید ہوجانا ہے

شدت حزن نیز شدت خوف مین بارہا یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ سر کے بال دفعۃً سیاہ سے سفید پڑ گئے ہین۔ (ڈارون ایک ہندوستانی مجرم کا واقعہ نقل کرتا ہے، جسے سزاے موت کا حکم سُنایا گیا تھا، پھانسی گھر مین لاتے ہی فرط خوف سے اسکے سیاہ بال اس سُرعت کے ساتھ سفید ہو گئے، کہ تماشائیون نے نہایت حیرت کے ساتھ اس تماشہ کو دیکھا)۔ اسی طرح ایک اور مظہر جذبہ رعشہ ہے۔ بہت سے جذبات کا مظہر جسمانی یہ ہوتا ہے، کہ عضلات جسم مرتعش ہو جاتے ہین۔ یہ سچ ہی کہ بعض مرتبہ حرارت خون برقرار رکھنے کے لیے یہ رعشہ مفید پڑجاتا ہے، لیکن اکثر حالات مین یہ بجاے مفید ہونے کے مضر ہوتا ہے۔ ایک اور مثال اسی قسم کے مظاہر جذبات کی رطوبات غدودی مین وہ تغیر ہے، جس سے پسینہ پیدا ہوتا ہے۔ ان سب مثالون مین قدر مشترک یہ ہے، کہ انکی توجیہ کلیات ثلثہ مندرجہ بالا مین سے کسی کے مطابق نہین ہو سکتی ہے۔ یہ آثار، فعلیت نظام عصبی کے براہ راست تابع و محکوم ہوتے ہین۔

قوانین بالا کی تشریح، جنکی تدوین اول کا شرف ڈارون کو حاصل ہی، ڈارون، اسپنسر، ونٹ و جیمس کے مذاق کے مطابق تھی۔ آخرالذکر قانون، یعنی فعلیت نظام عصبی سے متعلق اسپنسر کا نظریہ خصوصی یہ ہے، کہ جو عضلات جسامت مین سب سے چھوٹے ہوتے ہین، وہی سب سے زیادہ فعلیت نظام عصبی سے متاثر ہوتے ہین۔ انسان مین چہرہ اور انگلیون کے پٹھے دبلی مین

دُم کے، اور گھوڑے مین کان کے عضلات، جذبات کے سب سے بڑے مظہر ہوتے ہین، اور ساتھ ہی جسامت کے لحاظ سے بھی سب سے چھوٹے ہوتے ہین۔ لیکن یہ دعوی تمام مر صحیح نہین۔ کُتّے اور بلّی کے چہرے کے عضلات، انکی دُم کے عضلات کے مقابلہ مین بڑے نہین ہوتے بلکہ کُچھ چھوٹے ہی ہوتے ہین؛ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے جذبات کا اظہار، چہرہ کی بہ نسبت دُم کے عضلات سے زیادہ قطعی طور پر ہوتا ہی؟ غرض، اسپنسر کا یہ نظریہ گو ایک حد تک واقعات پر مبنی ہے، لیکن اسقدر یقینی نہین کہا جا سکتا، جتنے کہ مندرجۂ بالا قوانین اربعہ ہین۔

باب (۶)

ارتقاء و انحطاط جذبات

جس طرح نفس "مرض" کی تعریف سے واقف ہو کر کوئی شخص طبیب نہین بن سکتا، تاوقتیکہ مختلف امراض کی کیفیات سے وہ فرداً فرداً واقفیت حاصل کر چکا ہو۔ اسی طرح محض ایک کلیہ کی صورت مین ماہیت جذبات سے واقفیت ایک عالم نفسیات کے لیے بالکل ناکافی ہے، تاوقتیکہ وہ ہر جذبہ کا علم علحدہ علحدہ نہ رکھتا ہو۔ لیکن قبل اسکے کہ ہر جذبہ سے فرداً فرداً بحث کی جائے، یہ ضروری ہے، کہ ان کے درمیان کوئی نظم و سلسلہ قائم کر دیا جائے، جسکے ساتھ وہ سب لوط ازمین یا یہ کہ انھین مختلف طبقات مین منقسم کر کے چند بڑے عنوانات کے تحت مین رکھ دیا جائے، اسی طرح کہ جیسے اطبا، امراض کو مختلف طبقات مین تقسیم کر لیتے ہین لیکن جذبات کی تنظیم مین ایک معرکۃ الآرا بحث یہ پیدا ہو جاتی ہے، کہ بنائے تقسیم کیا ہو؟ اطبا، امراض کو انکی مقامیت کے لحاظ سے تقسیم کرتے ہین، (مثلاً

امراض دماغ، امراض چشم وغیرہ)؛ حیاتیین حیوانات کی درجہ بندی انکے مدارج حیات کی بناپر کرتے ہین؛ اسی طرح جذبات کی تقسیم بھی کسی خاص اصول کی بناپر ہونا چاہیے۔ اب سوال یہ ہی کہ وہ اصول کیا ہے؟

اسکے جواب مین علما نفسیات مین باہم سخت اختلاف آرا ہی، چنانچہ تقریبًا ہر جلیل القدر عالم نفس نے ایک جدید بناے تقسیم اختیار کی ہی۔ ہم ان مین سے بعض کی رائین یہان درج کرتے ہین۔

ایک مشہور عالم نفسیات، جذبات کو ذیل کے طبقات ثلثہ مین تقسیم کرتا ہی:-

(۱) جذبات بسیط۔ یعنی محبت، خوف، اور غصہ۔

(۲) جذبات مرکب۔ مثلاً حمیت، ندامت، حسرت، جاہ طلبی، وغیرہ

(۳) جذبات مرکب در مرکب۔ یعنی وہ جذبات جو نسبتًا بہت نادرالوقوع ہین۔

ایک دوسرے عالم نفسیات کی تقسیم حسب ذیل ہے:-

(۱) جذبات انبساطی۔

(الف) ایجابی، یعنی جو جذبات، تفریحات اور حسین وجمیل اشیا کے نظارہ سے پیدا ہوتے ہین۔

(ب) سلبی، یعنی جو جذبات، رفع انقباض والم سے پیدا ہوتے ہین، مثلاً اطمینان، فراغت، وغیرہ

(۲) جذبات انقباضی۔

(الف) ایجابی، مثلاً تکان، خستگی، وغیرہ۔

(ب) سلبی، مثلاً خوف، غم، مردہ دلی وغیرہ

ڈاکٹر مرسیر کی تقسیم بظاہر زیادہ باقاعدہ و دلچسپ معلوم ہوتی ہے:۔

(۱) **جذبات اولیہ** یعنی وہ جذبات جو لوازم حیات مین داخل ہین، اور جو ایک بسیط حالت مین بلا دوسرے جذبات کی آمیزش کے قائم رہتے ہین۔

(الف) وہ جذبات جن سے صیانت حیات انفرادی مقصود ہے۔ مثلاً خوف، غصّہ،

(ب) وہ جذبات جن سے صیانت حیات نوعی مقصود ہی مثلاً شہوت جنسی، یا والدین کی مامتا۔

(۲) **جذبات ثانویہ** یہ جذبات اولیہ سے مرکب، اور انھین کی پیچیدہ و مخلوط شکل ہوتے ہین۔

(الف) وہ جذبات، جنکا تعلق افراد کی باہمی بہبود سے ہی، مثلاً رحم، ہمدردی، فیاضی، ایثار۔

(ب) وہ جذبات جن کا تعلق جماعت کی بہبود سے ہی، مثلاً حب وطن، قوم پرستی، وغیرہ

(ج) وہ جذبات، جو نہ افراد کی نہ جماعت کی صیانت حیات مین معین ہوتے ہین، بلکہ محض آرائش و تکلفات کا کام دیتے ہین، مثلاً جذبۂ مذہبیت، جذبۂ جمال پسندی،

(د) وہ جذبات، جنکا تعلق اعلی قوائے ذہنیہ سے ہے، مثلاً اعتقاد، یقین، شک۔

اسی طرح کی بیسیوں تقسیمات ہین، مگران سب مین نقص یہ ہے، کہ ان سے جذبات کی ترتیب و تنظیم مین سخت خلط مبحث پیدا ہوجاتا ہے، یعنی کہین توایک ہی جذبہ کو متعدد عنوانات کے تحت مین جگہ دینا لازم آتا ہے، اور کہین مماثل جذبات کو مختلف عنوانات کے ماتحت جگہ ملتی ہے۔ پھر تقسیمات بالا مین بعض جذبات کی تقسیم، جن خاص عنوانات کے ماتحت کیگئی ہے، اُس پر صریحاً اعتراضات وارد ہوتے ہین۔ مثلاً ڈاکٹر مرسییر، حب وطن کو تو ایسا جذبہ قرار دیتے ہین، جو جماعت کی صیانت حیات مین خاص طور پر معین ہے، اور جذبہ مذہبیت نیز جذبہ جمال پسندی کو اُن جذبات مین شمار کرتے ہین، جو جماعت کے لیے کوئی حیثیت افادی نہین رکھتے۔ اور اس دعوے کی شتر گربگی ظاہر ہے۔

حقیقت یہ ہے، کہ اگر اس بحث کو سائینٹفک اصول پر طے کرنا مقصود ہے تو ان کچ احتمالیون کو چھوڑ کر ہمین ارتقاء کو اپنا دلیل راہ بنالینا چاہیے، ارتقاء کی عروۃ الوثقی کو تھام لینا چاہیے۔ اور انسان کی حیات احساسی پر ارتقاء کی روشنی ڈال کر دیکھنا چاہیے، کہ خود اس کا مطالعہ کس قسم کی ترتیب و تنظیم کا داعی ہے۔؟

منجملہ اُن چند مسائل کے، جو مدت سے علماے نفسیات کے درمیان

مابہ النزاع چلے آتے ہین، ایک مسئلہ احساس وقوف کے تقدم وتاخر کا بھی ہے۔
یعنی یہ سوال، کہ انسان کے تجربہ مین، ان دو کیفیات مین سے، پیشتر کون سی
کیفیت آتی ہے؟ ایک گروہ کثیر اس امر کا مدعی ہے، کہ ترتیباً وقوف، احساس
پر مقدم ہے۔ یہ گروہ کہتا ہے "کہ ہمارے شعور کی نوعیت ہی اسکی مقتضی ہے،
کہ ہم کسی شی کے محسوس کرنے سے قبل اُسے معلوم کرین، یہ کہنا، کہ ہم ایک شی
سے لذت یا الم محسوس کررہے ہین، مگر اسکا علم نہین رکھتے، ایک مہمل و بے معنی دعویٰ
کرنا ہے۔ حالانکہ اسکے مقابلہ مین یہ دعویٰ کرنا، کہ ہم ایک شی پر اطلاع، یا اس کا
علم حاصل کررہے ہین، مگر اس سے انقباضاً یا انبساطاً متاثر نہین ہوتے،
اپنے اندر کوئی استبعاد نہین رکھتا، اسلیئے خود مطالعۂ باطن کا فتویٰ یہ ہے، کہ
احساس، وقوف پر مشروط اور اس سے موخر ہی۔ سر ولیم ہملٹن، جو اس مذہب کا
ایک سربرآوردہ رکن گذرا ہے، کہتا ہے "قوائے نفسی مین وقوف، یقیناً سب پر
مقدم ہے، اس لیے کہ وہ دیگر قویٰ کے وجود کے لیے شرط اولین ہے۔ ہم
ایسی ہستی کا تصور کرسکتے ہین، جو شناخت و ادراک کی قوت رکھتی ہو، مگر جو لذت
والم کے احساس، اور خواہش و ارادہ کی تمام قوتون سے خالی ہو، لیکن اسکے
مقابلہ مین ہمارا ذہن ایسی ہستی کے تصور سے قطعاً عاجز ہے، جسمین خواہش و
احساس کی استعداد تو ہو، مگر جو اُس شے کے وقوف سے، جو اسکے احساسات
کی مصدر رہے، معرا ہو"

دوسرا فریق، اسکے مقابل مین، تقدم احساس کا قائل ہے۔ یہ کہتا ہی کہ احساس تو مدار حیات ہے۔ اگر ہم مین قوائے دقوفی نہ ہون، تو ہم جون تون زندگی بسر کر سکتے ہین، لیکن اگر احساس یعنی موثرات خارجی سے متاثر ہونے کی صلاحیت، مفقود ہو، تو زندگی ایک لمحہ کے لیے بھی نہین قائم رہ سکتی۔ اس بنا پر ضرور ہی کہ احساس، دقوف پر مُقدم ہو۔

لیکن ہمارے نزدیک ہر دو فریق، اپنی اپنی جگہ پر حق بجانب ہین، اور اصل حقیقت ان دونون رایون کے ملانے سے معلوم ہوتی ہے۔ فریق اول کے اس قول سے مطلق انکار نہین کیا جا سکتا، کہ (بہ الفاظ جان اسٹوارٹ مل) کسی عاقل و بالغ انسان کا یہ کہنا کہ وہ ایک شی محسوس کر رہا ہے، مگر یہ علم نہین رکھتا کہ محسوس کر رہا ہے، ایک بے معنی دعویٰ کرنا ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا، کہ فریق ثانی بھی بر سر خطا نہین۔ اصل یہ ہی، کہ انسان مین حیات شاعرہ کے وجود مین آنے سے پیشتر حیات نباتی پیدا ہو جاتی ہے، یعنی گو وہ اپنی ضروریات کو سمجھتا نہین، تاہم اُس مین ضروریات پیدا ہو جاتی ہین۔ اُسے گو اپنے حوائج کا علم نہین ہوتا، تاہم اسکی احتیاجات تقاضا کرنا شروع کر دیتی ہین۔ یہ زمانہ حالت جنین کا ہوتا ہی اس وقت بچہ مین شعور مطلق نہین ہوتا، تاہم وہ تقاضائے حوائج سے آزاد نہین ہوتا۔ اسکے لیے تنفس لازمی ہے، مگر اسے اس ضرورت کا علم نہین ہوتا؛ وہ بدل ما تحلل کا محتاج ہے، مگر اپنی محتاجی سے بے خبر رہتا ہے؛ اُسے اگر سخت

گرمی یا سردی پہونچائی جائے، تو اگرچہ وہ یہ نہین سمجھ سکتا کہ کوئی شے اُسے اذیت پہونچا رہی ہے، تاہم اسکے عضلات مین انقباض شروع ہوجائے گا، اور اس پر وہی اثرات مترتب ہونے لگین گے، جو ایک بالغ شخص پر کسی تکلیف کے وقت طاری ہوتے ہین۔ یہ حیات نباتی یا حیات **غیر شاعرہ** جنین کے علاوہ، عہد طفولیت کے اگر ابتدائی چند ہفتون اور چند مہینون تک نہین، تو اقل مرتبہ چند دنون تک ضرور ہی قائم رہتی ہے۔ پھر جب اس حقیقت مسلمہ کے ساتھ یہ مقدمہ بھی ملا یا جاتا ہے، کہ حیات انسانی کی کھی استعداد، یعنی بعض اشیاء سے جلب منفعت اور بعض سے دفع مضرت، بعض چیزون کی جانب میل اور بعض کی طرف سے گریز وہ شے ہے جو آگے چل کر احساسات وجذبات کی شکل مین تبدیل ہوجاتی ہے، تو یہ نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے کہ احساس کی یہ شکل خاص، یعنی احساس **غیر شاعرہ**، **وقوف وارادہ** پر **مقدم** ہے۔ (اور اس خیال کی تائید، تشریحی شواہد کی بنا پر کلاڈ برنارڈ وغیرہ متعدد علماء عضویات نے کی ہے، مگر انکی تصریح کا یہ موقع نہین۔) البتہ حیات حیوانی یا حیات **شاعرہ** کے متعلق، نفسئین کے فریق اول الذکر کا دعوی بالکل صحیح ہے، اور اس مین کوئی شبہ نہین کہ اس حالت مین یعنی شعوری حیثیت سے سن بلوغ پر پہونچنے کے بعد، ایسی کوئی کیفیت نہین ہوتی، جس مین احساس وقوف پر مقدم ہو، بلکہ ہم ہمیشہ کسی شی کے محسوس کرتے وقت، یا اس سے پیشتر اس شی پر مطلع ضرور ہوجاتے ہین۔ پس فریقین بالامین سے ہر دو گروہ اپنی اپنی جگہ پر

حق بجانب نیز یکسان طور پر غلطی مین مبتلا ہین -

حیات غیر شاعرہ مین ذی حیات مخلوق اپنی بقا کے لیے جن چیزون کی طالب و متقاضی ہوتی ہو، انھین مطالبات کو حوائج مادی سے تعبیر کیا جاتا ہی اور پھر بھی حوائج مادی، تکوین شعور کے بعد احساسات سے موسوم کیے جاتے ہین پس احساس کی تعریف اگر کرنا چاہین تو کہہ سکتے ہین کہ احساس -

احتیاج مادی + شعور

ہے - مثلاً بدل ماتحلل کی ضرورت جس طرح درخت کو ہوتی ہو اسی طرح انسان کو بھی - مگر جب تک اس کا تعلق درخت سے ہے، اسے احتیاج مادی سے تعبیر کرینگے، اور جب وہ انسان سے متعلق ہوگی (یعنی جب احتیاج محض پر شعور کا بھی اضافہ ہو جائیگا) تو اسے احساس گرسنگی کہینگے - لیکن حوائج مادی کے مطالبات اگرچہ تمام تر صیانت حیات مین معین ہوتے ہین، مگر یہ ضرور نہین کہ سب کے سب براہ راست ہی معین ہون، بلکہ بعض اس مقصد کو براہ راست پورا کرتے ہین اور بعض بالواسطہ - اسی بنا پر احساس نے اپنی رفتار ارتقا مین دو مختلف راستے اختیار کیے - ایک راستہ اُن مطالبات کا ہی جنکے اوپر حیات انسانی براہ راست مشروط و منحصر ہے، مثلاً گرسنگی، تشنگی، خواب، وغیرہ - دوسرا راستہ اُن مطالبات و مقتضیات فطری کا ہے، جو حیات انسانی کے قیام مین بالواسطہ معین ہین، مثلاً خوف، کہ اگر یہ نہ ہو، تو انسان اپنی حفاظت کا کچھ سامان نہ کر سکے، یا غصہ، کہ اگر یہ نہ ہو تو

انسان اپنے مخالفین سے مقاومت نہ کر سکے۔ صنف اول الذکر کے احساسات کو اشتہاءات کہتے ہین، اور آخر الذکر کو جذبات۔ اشتہا اور جذبہ کے درمیان، قطع نظر دیگر فروق سے، ایک نمایان فرق یہ ہے، کہ اشتہا بخلاف جذبہ کے ہمیشہ دوری ہوتی ہے یعنی ہر اشتہا کا دور ایک وقفہ معینہ کے ساتھ زندگی بھر طاری ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً بھوک ہر چند گھنٹے کے بعد خواہ مخواہ لگنے لگتی ہے، پیاس ہر تھوڑی دیر کے بعد لامحالہ معلوم ہونے لگتی ہے؛ نیند ایک وقت معینہ کے بعد از خود آنا شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن جذبات اسکے برخلاف، موقت نہین ہوتے، وہ وقت کی پابندیون کے ساتھ مقید نہین کیے جا سکتے، غم، مسرت، الفت، دہشت کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک معیاد معین کے بعد یکسان طور پر طاری ہونگے؟

جسطرح انسان کے منافع و مضار کی انتہا نہین ہو سکتی اسی طرح اسکے لذات و آلام کا شمار نہین ہو سکتا، اور جسطرح انسان کی پسندیدگی و ناپسندیدگی رغبت و نفرت کی صورتونکی تحدید نہین کیجا سکتی اسی طرح جذبات انسانی کی مکمل فہرست بھی کوئی فرد بشر نہین تیار کر سکتا۔ لیکن جذبات کی یہ خصوصیت نفسیات جذبات کے مصنف کے کام کو بہت ہلکا کر دینے والی ہے کہ تمام جذبات مساوی الرتبہ نہین ہوتے، بلکہ ہر صنف موجودات کی طرح ان مین بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے، یعنی بعض جذبات اساسی ہوتے ہین اور بعض تبعی۔ جذبات اساسی سے مراد اُن جذبات سے ہے جنکی تجزی کسی دوسرے جذبہ مین نہین ہو سکتی، اور جو کسی دوسرے جذبہ سے ماخوذ نہین ہوتے،

بلکہ بمقابلہ دیگر جذبات کے ایک بسیط حالت مین ہوتے ہین[۱]۔ انکی ایک بڑی شناخت یہ ہی کہ یہ انسان اور حیوانات مین مشترک ہین۔ جذبات تبعی کے مفہوم مین وہ جذبات داخل ہین جو تحلیل ہوکر جذبات اساسی پر ٹھہرتے ہین، اور انھین سے ماخوذ و مرکب ہوتے ہین۔ یہ جذبات عموماً انسان کے ساتھ مختص ہوتے ہین جنمین حیوانات شریک نہین ہوتے۔

یہ ظاہر ہی کہ جذبات اساسیہ کو جذبات تبعی پر تاریخاً مقدم ہونا چاہیے چنانچہ جذبات اساسی عموماً انسان کی ابتدائے عمر ہی مین ظاہر ہونا شروع ہوجاتے ہین۔ جذبات اساسی کی تعداد، مؤلف ہذا کے استقصا مین (اور اس مسئلہ مین وہ ایک بڑی حد تک پروفیسر ریبو سے متفق ہی) نصف درجن ہی، جسکی تفصیل ترتیب وار درج ذیل ہے:—

(۱) **غم و مسرت**۔ انسان اپنی حیات شاعرہ مین جس کیفیت سے ہر لحظہ و ہر آن متحس ہوتا رہتا ہے، وہ کیفیت احساسی ہے اور احساس ہی کے دو رُخ حظ و الم ہین، جن کی تشریح من حیث الاحساس باب (۳) مین ہوچکی ہی، یہی حظ و الم جب جذبات کی صورت اختیار کرلیتے ہین، تو غم و مسرت کہلاتے ہین،

---

[۱] "دیگر جذبات کے مقابلہ" کی قید اس لیے ضروری ہی کہ ہر جذبہ، احساسات سے مرکب ہوتا ہی، اور کوئی جذبہ فی نفسہ بسیط نہین ہوسکتا۔ اسکے بسیط ہونے کے معنی صرف یہ ہین، کہ بمقابلہ دیگر جذبات کے وہ ایک اضافی حیثیت سے بسیط حالت مین ہے۔

جنکی تشریح باب آیندہ مین ملیگی۔ ان کا اور حیات شاعرد کا چونکہ چولی دامن کا ساتھ ہے اس لیے حیات شاعرد کی تکوین کے ساتھ ہی یہ بھی فوراً وجود مین آجاتے ہین اور اس لیے یہ ترتیباً ہر جذبہ پر مقدم ہین، یعنی تمام جذبات سے پیشتر عالم ظہور مین آتے ہین۔

(۲) **خوف**۔ یہ جذبہ جیسا کہ بعض مشہور محققین نے مشاہدہ کیا ہی، بچہ کی پیدائش کے دوسرے دن سے اُسپر طاری ہونے لگتا ہی۔ صیانت حیات ایک بڑی حد تک اسی کے دم سے وابستہ ہے، کہ اگر یہ نہو، تو انسان اپنے تئین حملہ‌ہاے سے بچانے کا کوئی سامان نہ کرسکے۔ اگر مرض کا خوف نہ ہو، تو انسان علاج نہ کرے، یہان تک کہ موت آجائے؛ یا اگر حوادث کا خوف نہ ہو، تو انسان اپنے ہر فعل مین اتنی بے پروائی و بداحتیاطی برتے، کہ اسکی جان صدمات ناگہانی کی نذر ہوجائے۔ وقس علیٰ ہذا۔

(۳) **غضب** تیسرا نمبر اس کا ہے۔ یہ جذبہ صیانت حیات مین خوف کے مساوی الرتبہ، بلکہ دراصل اُسکا متمم ہے۔ خوف جس طرح قوت دفاع کا مظہر ہی، غضب اسی طرح قوت اقدام کا۔ اگر یہ جذبہ نہو تو ہم عوامل مہلکہ کے مقابلہ مین ہرگز اپنی ہستی قایم نہ رکھ سکین، اگر ہم مین غصہ نہو، تو جو شخص چاہے ہم پر حملہ کرے، اگر ہم اُسکی مقاومت نہ کرسکینگے، یہان تک کہ وہ ہمین قتل کر ڈالیگا۔ یا کوئی شخص ہمین ہمارے رزق سے محروم کررہا ہی، مگر ہم فقدان قوت غضب سے اوسکی

مزاحمت پر قادر نہین ہو سکتے، تا آنکہ شدت گرسنگی سے ہماری جان جاتی رہئی۔ وقس علی ہذا۔

(۴) **اُلفت** یا ہمدردی۔ جذبات موسومۂ بالا کا براہ راست تعلق افراد کی ذات سے تھا، لیکن جذبۂ ہذا اور جذبات آئندہ کا تعلق، افراد سے بحیثیت ان کے جزو جماعت ہونے کے ہی۔ اس جذبہ سے مراد یہ ہے کہ انسان دوسرون کے سُکھ دکھ مین شریک ہو، اور اُن کے ساتھ یکرنگی کی خواہش پیدا ہو۔ بچہ جب اپنی دایہ کو روتا ہوا دیکھکر خود بھی خواہ مخواہ بسورنے لگتا ہے، تو سمجھ لینا چاہیئے، کہ اُس مین یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ علماء نفسیات کا اس بارے مین اختلاف ہی، کہ یہ جذبہ بچہ مین ٹھیک کس وقت پیدا ہوتا ہے، تاہم اسقدر مسلم ہے کہ اسکے ابتدائی ظہور کا زمانہ، بچہ کی عمر کے تیسرے اور گیارھوین مہینہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اس جذبہ کی بہت بڑی علامت انسان مین محاکات کی قابلیت ہونا ہے۔

(۵) **انانیت**۔ بچہ جس وقت تک شیر خوار رہتا ہے، اُسمین خود اپنی ذات کے متعلق کچھ سوچنے سمجھنے کی قابلیت نہین ہوتی۔ لیکن عمر کے تیسرے سال مین قدم رکھتے ہی اُسے خود اپنی ذات کا شعور ہونے لگتا ہے، یعنی اس مین اس امر کا احساس پیدا ہو جاتا ہی کہ وہ دوسرون کے نفوس سے علیحدہ خود بھی ایک مستقل ہستی رکھتا ہے، جو دوسرون سے برتر یا حقیر تر ہے،

اور اس سے اُسمین نخاری) وغرور یا تواضع وانکسار کے جذبات پیدا ہوتے ہین،
جن سے آگے چل کر حیات اجتماعی سے متعلق بہت سے جذبات شاخ در شاخ نکلتے ہین۔

(۶) **شہوت**۔ یہ جذبہ ترتیباً جذبات اساسی کی صف مین سب سے آخر نمبر پہ ہے، اسکا ظہور جیسا کہ ہر شخص واقف ہی سن بلوغ پر ہوتا ہی۔ یہ بھی ظاہر ہی کہ اگر یہ جذبہ نہوتا تو نوع انسان کی ایک نسل بھی نہ چل سکتی۔

جذبات اساسی مؤلف ہذا کے نزدیک، تمام تر یہی ہین، اور انسانی زندگی مین جو بیشمار دوسرے جذبات (مثلاً رشک، حسد، شرم، حیا، عشق، مذہبیت، حُب وطن، جمال پسندی، وغیرہ) ظاہر ہوتے رہتے ہین، وہ سب انھین سے ماخوذ ہوتے ہین لیکن اب سوال یہ ہی کہ اس ارتقار کا طریقہ کیا ہے؟ یہ مانا کہ بعض جذبات بسیط ہوتے ہین، اور بعض مرکب، لیکن ان دونون طبقات کے درمیان اصول ربط کیا ہین؟ اور کیونکر ایک جذبہ مین ترمیم ہوکر دوسرے جذبہ کی تشکیل ہوجاتی ہے؟

اسکا جواب یہ ہے کہ اس استحالۂ جذبات کے تین اصول ہین، لیکن ان کے بیان سے قبل نفس بشری کے ایک اہم ترین قانون کو ذہن نشین کرلینا چاہیے، یہ قانون، **قانون ائتلاف** ہی نفس انسانی کی یہ ایک نہایت اہم خصوصیت ہی کہ بعض کیفیات شاعرہ دوسری کیفیات شاعرہ کے ساتھ تخصیصی علاقہ رکھتی ہین، یعنی جب ہمارے نفس مین اول الذکر پیدا ہوتی ہین تو

آخرالذکر بھی التزاماً پیدا ہوجاتی ہین - یہ قانون اگرچہ نفس کے ہر شعبہ مین یکسان قوت کے ساتھ عامل ہی لیکن ہم یہان وقوف وارادہ سے قطع نظر کرکے صرف دائرۂ احساس مین اسکی فعلیت کے حدود و اصول تبلاتے ہین - اس علاقہ کا ظہور تین صورتون مین ہوتا ہے:-

پہلی صورت **علاقۂ مقارنت** ہی یعنی جب دو یا زائد چیزین زمانی یا مکانی حیثیت سے قرب یا اتصال رکھتی ہین، تو جو جذبات ہم مین انمین سے ایک چیز سے طاری ہوتے ہین، وہی جذبات اُن کے مقارن شے یا اشیاء سے بھی پیدا ہونے لگتے ہین - اگر ہم کو زید سے محبت یا عداوت ہی، تو لازمی ہی کہ اسکے اعزہ، اسکے احباب، اسکے خاندان، اسکے مقبوضات، غرض ہر اُس شی کے ساتھ جسے زید کے ساتھ تعلق یا وابستگی ہی کم وبیش محبت یا عداوت پیدا ہوجائے مجنون کو اگر لیلی سے عشق تھا، تو ناگزیر تھا، کہ اسکے کتے سے بھی عشق ہو -

دوسری صورت **علاقہ مماثلت** کہلاتی ہی - یعنی جب دو یا زائد چیزین بعض حیثیات سے باہم گر مشابہ ہوتی ہین، تو جو جذبات ہم مین ممثل لہ سے پیدا ہوتے ہین وہی جذبات اسکے مماثل اشیاء سے بھی پیدا ہونے لگتے ہین - اگر گلاب کے پھول ہمین خوشنما معلوم ہوتے ہین، تو ضرور ہی کہ گلابی رخسار بھی ہمارے لیے دلفریب ٹھین - مین ایک ضعیفہ کو جانتا ہون جسکی نظر ایک نوعمر شخص پر پڑتے ہی اُس سے محبت ہوگئی - دریافت سے معلوم ہوا، کہ اس نوجوان کی شکل، ضعیفہ کے

ایک فرزند متوفی سے بہت مشابہ تھی، حالانکہ ضعیفہ نے یہ سمجھکر اُس سے محبت نہین کی تھی، بلکہ یہ محبت اُسکے دل مین از خود پیدا ہو گئی تھی۔

تیسری صورت کو **علاقہ تضاد** کہتے ہین یعنی جب دو چیزون مین باہم تناقض و تضاد ہوتا ہی، تو جن جذبات کی تکوین ایک شی سے ہوتی ہی اُنکے بالکل متضاد جذبات دوسری شی یا اشیاء سے پیدا ہونگے، اگر کسی شخص کو تاریکی مین سونا پسند ہی، تو خوابگاہ مین روشنی اُسے خواہ مخواہ ناگوار گزریگی، روشنی فی نفسہٖ اسکے لیے مکلف نہین، مگر چونکہ اسکی محبوب شی تاریکی کی ضد ہی، اسلیے اُس سے اسکے مخالف جذبہ کا پیدا ہونا لازمی ہی۔

ان علاقات ایتلاف کو پیش نظر رکھنے سے آیندہ مطالب کے سمجھنے مین بہت سہولت ہوگی۔ اب ہم استحالۂ جذبات کی طرف متوجہ ہوتے ہین اسکے اصول ثلثہ ذیل مین بیان کیے جاتے ہین :-

(۱) حیات نفسی کا مطالعہ کرنے والے اس نکتہ کو کسی حالت مین بھی نظر انداز نہین کر سکتے، کہ مختلف شعبہ جات شعور مین باہمدگر تعامل کا سلسلہ ہر وقت قائم و جاری رہتا ہی، اور یہ ممکن نہین کہ شعور کے ایک حصہ مین تغیر ہو اور دوسرے حصے غیر متاثر رہین۔ اسی قانون کا نتیجہ ہے، کہ حیات وقوفی مین تغیرات کے ساتھ حیات احساسی مین بھی تغیرات ہوتے رہتے ہین، اور عام قوائے نفسی کے نشوونما کے ساتھ جذبات مین بھی ارتقاء ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ **ارتقاء جذبات یعنی**

بسیط جذبات کے مرکب جذبات مین تبدیل ہونے کا پہلا سبب ارتقار شعور، یا زیادہ صحیح طور پر، ارتقاء وقوف ہی۔ اسپنسر جب بچپن مین دوسرون کی بات نہ مانتا تو اسکی اس عادت کو ضد ہٹ، اور خودرائی سے تعبیر کیا جاتا لیکن جب سن شعور پر پہونچکر اور دنیا پر اپنی فلسفیت کا سکہ بٹھا کر وہ بدستور خودرائے رہا، تو اسی قوت کو اجتہاد و حریت فکری سے موسوم کرنے لگے، حالانکہ ان دونون حالات کا اصل ماخذ وہی جذبہ انانیت تھا، جو عقل و قواے وقوف مین ارتقا کے ساتھ خود بھی معزز و مرتفع ہوتا گیا۔ نپولین جب اپنے عہد طفولیت مین دوسرے بچون کے ساتھ دباؤ اور تحکم سے کام لیتا تھا تو اسکی شرارت و بدمزاجی پر محمول کیا جاتا تھا، لیکن جب اسی نپولین نے جب جنرل نپولین بلکہ شہنشاہ نپولین بنکر سارے یورپ مین اپنے نام کا خطبہ پڑھا لیا، تو اسکی اسی قدیم خصوصیت مزاجی کو اُسکے رعب داب اور سطوت و اقبال سے تعبیر کرنے لگے، حالانکہ ان دونون چشمون کا منبع ایک ہی (یعنی جذبہ انانیت) تھا۔ ارتقار جذبات مین جتنا دخل افراد کے ارتقار فکر کو ہی، اسی قدر دخل نوع کے ارتقار فکری کو بھی ہی یعنی جسطرح افراد کے زیادہ ذی شعور ہونے کے ساتھ ان کے جذبات زیادہ مرکب و زیادہ مہذب ہوتے جاتے ہین، اسی طرح نوع کی شعوری ترقی کے ساتھ بھی اسکے جذبات مین ترمیم و تہذیب ہوتی جاتی ہی چنانچہ متمدن اقوام کے جذبات جو علی العموم بمقابلہ غیر متمدن اقوام کے جذبات کے، زیادہ دقیق و زیادہ لطیف ہوتے ہین، وہ

اسی کا نتیجہ ہے مثال کے لیے ہم جذبۂ مذہبیت کو لیتے ہین جو تمدن کی موجودہ منزل مین ایک نہایت پیچیدہ جذبہ ہے۔ اس جذبہ کی اصل بنیاد جذبۂ خوف پر تھی یعنی ہمارے وحشی اسلاف کے نفوس عالم بربریت و وحشت مین بعض مہیب و عظیم الشان موجودات عالم سے بے حد مخوف و مرعوب ہوے، اور یہ یقین کرنے لگے، کہ ان چیزون کو ان کے اوپر ہر طرح کا اختیار و قدرت حاصل ہے، پس انھون نے مختلف اعمال کے ذریعہ سے ان کو خوش کرنے کے طریقے نکالے اور انھین اعمال کو عبادات سے موسوم کیا۔ رفتہ رفتہ جب آیندہ نسلون مین جذبۂ الفت کی ترقی ہونے لگی، تو خوف کے ساتھ اس جذبہ کی بھی آمیزش ہوتی گئی، چنانچہ آج جبکہ ایک طرف پست ترین اقوام اپنے معبودون کو محض قوت غضب، اور قہاری کا مجسمہ سمجھ رہی ہین، متمدن اقوام اپنے خداؤن پر خوف و الفت، تعظیم و محبت کے مخلوط جذبہ کے ساتھ نظر کرتی ہین۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ مذہبیت اور تعبد تمام اہل مذاہب مین مشترک ہے، لیکن اپنے مدارج تمدن، یا مدارج تہذیب جذبات کے مطابق بعض پیروان مذہب اپنے خداؤن کو محض قہار بعض قہار و رحمن دونون، اور بعض محض رحمن مانتے اور اُن سے محض محبت کا رشتہ رکھتے ہین۔ جو اس امر کی ایک واضح شہادت ہے کہ نوعیت جذبات کی تعیین ایک بڑی حد تک افراد و اقوام کی نوعیت افکار پر موقوف و مشروط ہے۔

(۲) لیکن ارتقاء وقوف ہر حالت مین ارتقاء جذبہ کی علت نہین ہوتا
بلکہ بعض مرتبہ ان دونون مین سخت تضاد واقع ہوجاتا ہی جسکا باعث یہ ہی کہ
(بہ استثناء شاذ) تمام جذبات اساسی کی ایک مشترک خصوصیت تکوینی حرکات ہی چنانچہ
غصہ مین انسان حملہ کرنے کو دوڑتا ہی خوف مین بے تحاشا بھاگتا ہی الفت مین ہم آغوش
ہونے کو آگے بڑھتا ہی، غم مین پچھاڑین کھاتا ہی، مسرت مین اچھلتا کودتا ہی،
وغیرہ، لیکن غور و فکر کی ایک نمایان خصوصیت اسکے برعکس سلب حرکات ہی اور
اسلیے وقوفی نشوونما کبھی کبھی جذبی نشوونما کے معارض پڑجاتا ہی۔ اس تعارض
کی تین صورتین ہوسکتی ہین۔ ایک یہ کہ جذبہ کی قوت وقوف کے مقابلہ مین کم ہو،
دوسرے یہ کہ اسکے برابر ہو، تیسرے یہ کہ اس سے زیادہ ہو۔ ان مین سے
تیسری صورت یعنی جبکہ جذبہ وقوف غالب رہتا ہی، حیات جذبی کے لیے مطلق
مضر نہین، اور اسلیے اسکے اثرات و نتائج کو چھیڑنا غیر ضروری ہے۔ اب
صرف دو صورتین باقی رہ جاتی ہین۔ ایک یہ کہ جذبہ کی قوت وقوف سے نسبتًا
ضعیف ہو، دوسرے یہ کہ اسکے مساوی ہو۔ ان مین سے اول الذکر صورت مین
یہ ہوتا ہی، کہ جب جذبہ کا معارض وہ فکر قوی ہوتا ہی، تو جذبہ کی قوت رفتہ رفتہ
ماند پڑتی جاتی ہی، یہان تک کہ کچھ عرصہ مین وہ جذبہ بالکل مٹ جاتا ہی۔
مؤلف ہذا ایک شخص سے واقف ہی جو بچپن مین نہایت غصہ ور تھا، اور بات بات
پر برہم ہوتا، اور نہایت بیجا طور پر برہم ہوتا تھا لیکن سن شعور پر پہونچکر جب اسکے

قوائے مفکرہ مین خصوصیت کے ساتھ نشو ونما ہوا، اور اُسنے غصہ کو اپنے قصد و ارادہ سے
ضبط کرنا شروع کیا، تو کچھ عرصہ مین اُسکی زود خشمی جاتی رہی، اور اُسکی قوت غضب
اعتدال پر آگئی - آخر الذکر صورت مین، یعنی جبکہ قوت جذبی، قوت فکری کے تقریباً
مساوی ہوتی ہے، یہ ہوتا ہے، کہ دو متضاد قوتون کے تصادم سے ایک درمیانی راہ
پیدا ہوجاتی ہے، یعنی جذبہ مین اسکے طبعی جوش وخروش کے بجائے کسیقدر متانت آجاتی
ہی اور بہ حیثیت مجموعی اسکی ہیئت ایسی تبدیل ہوجاتی ہی، کہ بظاہر وہ ایک بالکل جدید
اور ناقابل تحلیل جذبہ معلوم ہوتا ہی، حالانکہ درحقیقت وہ جذبات اساسی ہی مین سے
کسی جذبہ کی ترمیم شدہ شکل ہوتی ہی، چنانچہ بہت سے جذبات مرکب اسی طریق پر،
جذبات بسیط سے پیدا ہوے ہین - مثال کے لیے ہم جذبہ بغض کو لیتے ہین، یہ
جذبہ مرکب، غصہ کے جذبہ بسیط سے ماخوذ ہے - غصہ کی نمایان علامت یہ ہوتی
ہے، کہ انسان اپنے مخالف پر حملہ کرتا ہے، اُسے ہر طرح نقصان پہونچاتا ہی، اور
اگر بس چلے تو مار ڈالتا ہی - یہ غصہ کے جذبہ فطری کا اقتضا ہے، لیکن عقل وفہم کے
نشو ونما کے ساتھ جب انسان کو اس راہ مین کاوٹین نظر آتی ہین، جب اُسکی
مآل اندیشی اُسے قانون واخلاق کی تعزیرات سے ڈراتی ہی، جب سوسائٹی کے
ضوابط اُسے علانیہ دل کے بخار نکالنے سے باز رکھتے ہین، تو وہ اظہار غضب کے
فطری طریقہ کو ترک کردیتا ہی، اور اپنے دل مین بجاے اسکے کہ علامات غضب علانیہ طاری
ہونے دے، اپنے مخالف کی طرف سے ایک اندرونی عناد پیدا کرلیتا ہے، اُسکی ذلت

دتوہین سے خوش ہوتا ہو۔ اسکے نقصان کی تمنا کیا کرتا ہو، اور وہ تمام مخفی ذرائع
استعمال مین لاتا رہتا ہو، جن سے اسکو توقع رہتی ہو کہ اسکے مخالف کوزک پہونچیگی۔
غرض اس طرح وہ جذبہ جو نہایت زور وہیجان کے ساتھ ظاہر ہوتا، اپنی فطری حالت
کو چھوڑکر عقل و دور اندیشی کی وساطت سے اسقدر مدہم پڑجاتا ہو، اور اسی جذبہ کو
بغض کہتے ہین۔ اس کلیہ کی دوسری مثال جذبۂ **صبر** ہے۔ جذبات سابی
مین اس جذبۂ تبعی کا ماخذ، غم ہو۔ غم جس وقت تک اپنی فطری حالت مین پورے زور
دقوت کے ساتھ قائم ہے، انسان روتا ہو، چلاتا ہو، سینہ کوبی کرتا ہو، پچھاڑین
کھاتا ہو، اور اسی طرح کی دیگر اضطراری حرکات مین مشغول رہتا ہو؛ لیکن جب عقل
ان چیزون کا بیسود محض ہونا سجھاتی ہو، عاقبت اندیشی ان کے بیکار ہونے کا یقین
دلاتی ہے، اور ناصح انکی بے اثری کو اس شعر کے پردہ مین ظاہر کرتا ہے کہ ؎

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدی وصال صد سال میتوان بتمنا گریستن

تو وہ بیقراری وبیتابی جاتی رہتی ہے، وہ مضطربانہ حرکات رک جاتی ہین، اور
انسان رضا بہ قضا ہوکر ایک سکون کے ساتھ خاموش بیٹھ جاتا ہو۔ اسی حالت کا نام
صبر ہو۔ ظاہر ہو کہ اسکی اصل جذبۂ غم ہی ہے، جسنے اصل و عاقبت اندیشی کے ساتھ مخلوط
ہوکر یہ شکل اختیار کی ہے۔ ایک اور مثال اسی کلیہ کی عشق حقیقی مین ملتی ہے۔
صوفیہ جس شی کو عشق حقیقی سے موسوم کرتے ہین، اسکا اصل ماخذ جذبۂ شہوت
جنسی ہوتا ہو۔ شہوت جنسی کا لب لباب یہ خواہش ہو، کہ محبوب سے وصال ہوجائے

اس جذبہ کی فطری و ابتدائی منزل مین وصال سے مراد وصال جسمانی یا اتحاد تناسلی سے ہوتی ہی لیکن عقل و فکر کی وساطت سے وصال جسمانی کی بے حقیقتی واضح ہو جاتی ہے، اور انسان کو یہ نظر آنے لگتا ہے، کہ مستقل و پائدار لذت یا مسرت وصال روحانی مین ہی پس آرزوے وصال تو بدستور قائم رہتی ہی لیکن عقل کی رہبری سے اس خواہش مین سے جسمانیت کا عنصر نکل کر اسکے بجاے روحانیت کا عنصر شامل ہو جاتا ہی۔ اسی طرح صدہا دیگر جذبات ہین، جنکے اصل ماخذ وہی جذبات ستہ اساسی ہین، جو اوپر درج ہو چکے، اور جو عقل و فکر کی وساطت و مداخلت سے متاثر ہو کر انواع و اقسام کی بظاہر بالکل جدید شکلین اختیار کر لیتے ہین۔ مگر ہم یہان ان چند مثالون پر اکتفا کرتے ہین۔

(۳) ارتقاء جذبات کا تیسرا قانون یہ ہی: کہ **مخلوط افکار ہمیشہ مخلوط جذبات کے مستلزم ہوتے ہین**۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہی، کہ جو کیفیت وقوفی دو یا زائد افکار بسیط سے مرکب ہوتی ہی، اسکے لیے لازمی ہی، کہ جو کیفیت جذبی اسپر متفرع ہو، وہ بھی دو یا زائد جذبات بسیط سے مرکب ہو۔ پھر ترکیب کی دو صورتین ہین۔ ایک یہ کہ مرکب کے اجزاے ترکیبی متحد الخواص اور باہم معاون ہون۔ دوسری صورت یہ ہی کہ وہ بجاے خود مختلف الخواص ہون پہلی صورت مین مرکب کی قوت و طاقت بیحد بڑھ جاتی ہی مثلاً ایک جذبہ محبت زوجی یا عشق کا ہی؛ اسکی ترکیب مین شہوت، الفت، انانیت، وغیرہ متعدد جذبات اساسی شامل ہوتے ہین،

اور چونکہ یہ کوئی ایک دوسرے کے مخالف نہین، بلکہ ایک حد تک باہم معین ہوتے ہین لہذا جو مرکب ان ہمرنگ عناصر کے اجتماع سے تیار ہوتا ہے، وہ لامحالہ نہایت تند وقوی ہوتا ہے چنانچہ جذبۂ عشق کے مجنونانہ جوش وخروش اور فوق العادت قوت کا اصلی راز یہی ہے۔ دوسری صورت مین یعنی جبکہ مرکب کے اجزائے ترکیبی بجائے متحد الخواص ہونے کے مختلف الخواص ہون، اور اُن مین خود باہم ایک حد تک تناقض وتضاد پایا جاتا ہو جذبۂ مرکب ایک ہی وقت مین دو مخالف کیفیات جذبی کا جامع ہوتا ہے، اور انسان اس وقت اپنے تئین ایک سخت کشمکش کی حالت مین پاتا ہے۔ اس قسم کے جذبات مخلوط کی توضیح چند مثالون کے ذریعہ سے ہوگی پہلی مثال جذبۂ حیا کی ہی۔ نسلاً بعد نسل کے تجربۂ متوارث کے بعد جب انسان کو یہ معلوم ہوا کہ اسکے بعض اعضاء جسم کا دوسرون کے سامنے عریان ہوجانا، یا بعض اعمال حیات کا علانیہ ارتکاب کرنا ہیئت اجتماعی کے بقا ومنفعت کے منافی ہی، تو اس سے ہمارے نفس مین ایک ناخوشگواری کا احساس پیدا ہوا، یعنی جب ہم دوسرون کے اُن مخصوص اعمال یا اعضا کو ایک غیر مستور حالت مین دیکھ لیتے، تو اُن لوگونکی طرف سے ہمارے نفس مین ناپسندیدگی کا احساس پیدا ہوتا۔ رفتہ رفتہ ارتقاء وقوفی کے ساتھ ہمین یہ خیال پیدا ہوا، کہ جس طرح دوسرون کے یہ افعال ہمکو ناپسندیدہ معلوم ہوتے ہین، اسی طرح جب ہم خود ان افعال کے مرتکب ہوتے ہین، تو دوسرون مین بھی ہماری جانب سے ناخوشگواری کا احساس پیدا ہوتا ہوگا۔ پس اب اس طرح کے جب کوئی

افعال ہم سے سرزد ہوتے ہین، تو ایک طرف ہمارا ذہن خود ہماری ذاتی حالت کی جانب رجوع کرتا ہے، جو جذبہ انانیت کی ایک صورت ہی؛ اور دوسری طرف ہم مین یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے، کہ دوسرے ہماری اس حالت کو ناپسندیدگی سے دیکھ رہے ہونگے، اور اسی لیے ہمین انکی طرف نظر اُٹھاتے ہوے خوف معلوم ہوتا ہی۔ اب ان دو جذبات اساسی (انانیت و خوف) کی ترکیب سے جو کیفیت جذبی پیدا ہوتی ہی اسی کا نام **حیا** ہے۔ دوسری مثال جذبۂ **رشک** کی ہے۔ اسکی تجزی کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ جذبہ، مسرت اور خوف کے جذبات اساسی سے مرکب ہوتا ہی انسان جس شے کو عزیز و محبوب رکھتا ہی، ظاہر ہی کہ اس سے متعلق اسمین مسرت و لذت کا جذبہ بیدار رہتا ہے، اور اس مسرت سے وہ دست بردار ہونا نہین چاہتا لیکن جب اس معاملہ مین اسکا کوئی مخالف یا رقیب کھڑا ہو جاتا ہی، تو اسکی عقل اسے بتاتی ہی، کہ وہ اسے اس مسرت سے بیدخل کر دیگا، یا کم از کم بیدخل کرنیکی کوشش کریگا اور اس نتیجہ کے تصور سے اسمین غصہ پیدا ہوتا ہی۔ پس کسی شی سے بزمانہ حال لذت یاب ہونے اور اسکے مستقبل کے تصور سے غضبناک ہونے کی ترکیب و امتزاج سے جس مخلوط جذبہ کی تکوین ہوتی ہے، اسی کا نام **رشک** ہی۔ ان مثالون سے معلوم ہوا ہوگا، کہ عقل و دوقوف کی وساطت سے حیات جذبی کہانتک متاثر ہوتی ہے، اور یہ کہ افکار مخلوط کس بڑی حدتک جذبات مخلوط کا باعث ہوتے ہین۔

حیات جذبی کے ارتقا، کے اصول و طریقے، صفحات بالا مین کسیقدر تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکے - اب ہم اس باب کے عنوان کے دوسرے ٹکڑے پر نظر کرتے ہین یعنی آیا ارتقا، جذبات کی طرح، انحطاط جذبات بھی کسی خاص ترتیب کا پابند ہے؟ اور اگر ہے، تو وہ ترتیب کیا ہے؟ نفسیات کی زبان تحقیق اسکا جواب دیتی ہے، کہ انحطاط جذبات بھی ایک منضبط و با اصول رفتار تنزل ہے، جسکی ترتیب ارتقا، جذبات کی ترتیب کے بالکل معکوس ہوتی ہے، یعنی جو جذبات سب سے آخر مین ظہور پذیر ہوتے ہین، اُنھین مین سب سے پہلے انحطاط شروع ہوتا ہے، اور جو جذبات سب سے پیشتر ظاہر ہوتے ہین، وہی سب سے آخر مین انحطاط قبول کرتے ہین - گویا اسکا تقدم اُسکا تاخر ہے، اور اُسکا تاخر اسکا تقدم - لیکن رفتار ارتقا، مین جذبات کے مقدم و مؤخر ہونے کے کیا معنی ہین - ؟

جذبات اساسی جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہین، ایک خاص ترتیب کے پابند ہوتے ہین: ان کے متعلق یہ بآسانی کہا جا سکتا ہے، کہ فلان جذبہ، مثلاً خوف، فلان جذبہ مثلاً اُلفت پر مُقدم ہوتا ہے - لیکن جذبات تبعی کی تحدید کرنا، اور پھر تحدید کے بعد بہ تعیین بتانا، کہ فلان جذبہ مثلاً ندامت، فلان دیگر جذبہ مثلاً حسرت کی نسبت مقدم یا مؤخر ہے، ایک امر محال ہے - تاہم ایک سلسلۂ تنظیم ایسا ہے جسکی کڑیان جذبات تبعی و اساسی دونون یکسان موزونیت کے ساتھ بن سکتی ہین، اور ایک شاہراہ ترقی ایسی ہے، جس پر تمام جذبات یکسان طور پر منازل

طے کرتے ہین - یہ نظام جذبات (جسے پروفیسر ریبو نے بہت آب وتاب کے ساتھ پیش کیا ہے، مگر جو درحقیقت اسپنسر سے ماخوذ ہے) فی الواقع ایک تفریع ہے، جو ماہیت جذبہ کے ذہن نشین کرلینے کے بعد از خود لازم آتی ہی۔ احساس وجذبات کا مقصد اصلی، جیساکہ بار بار کہا جاچکا ہے، حیات انسانی کو قائم و برقرار رکھنا اور اُسے ترقی دینا ہے۔ بالفاظ دیگر انکی غایت قصوی ایک کامل ومکمل زندگی کی جانب رہنمائی کرنا ہی۔ لیکن خود "کامل زندگی" کا مفہوم کیا ہی؟ اسکے سمجھنے کے لیے ہمین اُن افعال انسانی کی تحلیل کرنی چاہیے، جن پر حیات مشتمل ہی۔ اس تحلیل کے وقت اتنا علم تو بادی النظر مین بھی ہر شخص کو ہوجاتا ہے، کہ کل افعال انسانی کو دو بڑے عنوانات کے تحت مین رکھا جاسکتا ہی؛ اولاً وہ اعمال جو لازمۂ حیات وشرط زندگی ہین، ثانیاً وہ اعمال جو زندگی کی مشین پر صرف رنگ وروغن کا کام دیتے ہین۔ ان مین سے اول الذکر یعنی افعال ضروری کے پھر دو اقسام ہین - (۱) ایک وہ جو انسان کی فطری وحقیقی حوائج مین داخل ہین (۲) دوسرے وہ جنھین ادعائی ضروریات کہنا چاہیے، یعنی وہ افعال جنھین تمدن و معاشرت نے حیات انسانی کے ایسے اجزاے غیر منفک بنادیے ہین، کہ گویا وہ اسکی سرشت مین داخل ہین۔ لیکن افعال نمبر (۱) ابھی دو شاخون مین اور منقسم ہوسکتے ہین -

(الف) وہ افعال جن سے صیانت حیات براہ راست وابستہ ہے -

(ب) وہ افعال جو صیانت حیات مین بالواسطہ معین ہوتے ہین -

افعال انسانیے کل اتنے ہی اصناف ہین اور اسی قدر طبقات مین تمام جذبات خواہ انکی مجموعی تعداد بیشمار ہو، نوعی حیثیت سے رکھے جا سکتے ہین، کہ افعال انسانی کے ہر طبقہ کے مقابل و مطابق ایک طبقہ جذبات ہوتا ہے پس اب پنجگانہ طبقات جذبات کو یون رکھ سکتے ہین -

(۱) وہ جذبات، جن سے صیانت حیات براہ راست وابستہ ہے - انھین اشتہاءات بھی کہتے ہین - مثلاً بھوک، پیاس، نیند وغیرہ -

(۲) وہ جذبات، جو صیانت حیات مین بالواسطہ معین ہوتے ہین، مثلاً غم، مسرت، خوف، غضب، کہ اگر یہ جذبات نہون تو حیات انسانی تادیر نہ قائم رہ سکے -

(۳) وہ جذبات، جن پر افزائش نسل و تربیت اولاد منحصر ہے، مثلاً شہوت جنسی، محبت زوجی، والدین کی ممتا وغیرہ -

(۴) وہ جذبات، جن کا مقصد اجتماعی و عمرانی تعلقات صلیہ کو قائم رکھنا ہے، مثلاً جذبۂ الفت، ہمدردی، ایثار، فیاضی وغیرہ -

(۵) وہ جذبات جو شعور کے لیے گویا صرف تکلفات کا کام دیتے ہین، یعنی جنکے اوپر صیانت حیات نہ براہ راست مشروط ہے نہ بالواسطہ، مثلاً شوق تحقیقات -

ناظرین نے دیکھا کہ اس فہرست کے تحت مین جذبات اساسی و تبعی یکسان طور پر کھپ جاتے ہین، اور اُن کا ارتقاء اسی ترتیب بالا کے مطابق ہوتا ہے

انحطاط جذبات کی رفتار، جیسا کہ ہم ابھی کہہ آئے ہین، اسکے بالکل برعکس ہوتی ہی۔ جو جذبات سب سے آخر پیدا ہوتے ہین وہی سب سے اول فنا ہوتے ہین، اور جو سب سے اول پیدا ہوے ہین، وہ سب سے آخر فنا ہوتے ہین۔ اس کلیہ کے شواہد روزانہ زندگی مین بہ کثرت ملتے ہین۔ بھوک پیاس کی خواہش ولادت کے ساتھ ہی وجود مین آجاتی ہی، اور پھر مرتے دم تک ساتھ نہین چھوڑتی۔ شوق تحقیقات سن بلوغ پر پہونچ جانے کے بعد پیدا ہوتا ہی، اور دیکھو کہ قواے ذہنی کے انحطاط کی ابتدا اسی کے انحطاط سے ہوتی ہی۔ ضعیفی مین لوگون کو دیکھا ہوگا، کہ انھین اپنے سے غیر متعلق مشاغل و تذکرون سے مطلق دلچسپی نہین رہتی۔ یہ دلچسپیان تدریجاً گھٹتی ہین، مثلاً پہلے صرف اپنے ملک سے دلچسپی رہجاتی ہی، پھر اپنے شہر سے پھر اپنے خاندان سے، اور پھر اپنے اہل و عیال سے، یہان تک کہ رفتہ رفتہ آخر کار صرف اپنی ذات تک محدود ہوکر رہ جاتی ہے؛ پھر اپنی ذات سے متعلق دلچسپیون کا بھی یہ عالم ہی، کہ تزئین و آرائش، خود نمائی و خود پسندی کے تمام جذبات مٹتے جاتے ہین، تا آنکہ آخر کار صرف وہ جذبات باقی رہجاتے ہین، جو صیانت حیات کے لیے ازبس ضروری ہین۔ چنانچہ نہایت کبیر السن لوگ جو اپنی زندگی کے آخری دنون مین تقریباً اپنا سارا وقت اپنے سامان خورد و نوش اور دفع حر و برد مین صرف کرتے ہین، اور انھین جو اس سے مطلق سروکار نہین رہ جاتا، کہ دنیا مین کیا ہو رہا ہی، وہ اسی کا نتیجہ ہی، خوف، غضب، انانیت، الفت وغیرہ

تمام جذبات ایک ایک کرکے رخصت ہوتے جاتے ہین، اور شمع حیات کے گل ہوجانے والے چند گھنٹون مین اسکی بالکل وہی حالت ہوجاتی ہی، جو اسکے ابتدائً روشن ہوتے ہوے چند گھنٹون مین تھی، یعنی بجاے شعور کامل کے شعور ناقص، بجاے شعور جلی کے شعور خفی، اور بجاے کیفیت شاعرہ کے ایک کیفیت نیم شاعرہ، ہر وقت طاری رہتی ہی، اور اس طرح انتہائی کبرسنی کے ڈانڈے انتہائی صغرسنی سے مل جاتے ہین۔

باب (۷)
غم و مسرت

انبساط و انقباض، یا حظ و الم، اگرچہ، جیسا کہ ہم باب ۳ مین دکھا چکے ہین، صرف وہ عام کیفیات احساسی ہین، جو تمام جذبات مین مشترک ہین، یا زیادہ صحیح طور پر یہ کہنا چاہیئے، کہ وہ عناصر مفردہ ہین، جن سے ہر جذبہ مرکب ہوتا ہے۔ تاہم بعض صورتون مین یہ کیفیت احساس اسقدر قوی ہوتی ہی، کہ جذبہ کے دیگر خواص اسکے سامنے مغلوب ہو جاتے ہین، اور انسان اسی ایک کیفیت کو بطور مستقل جذبہ کے محسوس کرنے لگتا ہی۔ مثلاً ایک جذبہ غضب ہی اس مین انسان گو ایک طرح کا الم بھی محسوس کرتا ہی، تاہم اس پر اصل کیفیت غالب اشتعال کی ہوتی ہی اور اس لیے اس موقع پر الم یا ناخوشگواری کو جذبۂ غضب کی، صرف ایک کیفیت سے، منجملہ اسکی دیگر کیفیات کے، تعبیر کیا جا سکتا ہی۔ لیکن فرض کرو، کہ ایک شخص کا دل خود بخود اندر سے بیٹھا جاتا ہی، اسکا سارا نفس ایک اندرونی افسردگی سے

پژمردہ ہوا جاتا ہی، اور اسکے تمام افعال و اعمال پر ایک اُداسی و مردہ دلی طاری ہو رہی ہے، تو اس حالت انقباض و الم کو ایک مستقل جذبہ ہی سے تعبیر کیا جائیگا پس جس طرح کہ باب (۳) مین غم و مسرت کی تشریح بطور مفردات جذبات کے کیگئی تھی، ضرور ہے کہ اب ان کی تشریح بہ حیثیت جذبات کے بھی کیجائے۔

غم و مسرت انسان کے سب سے ابتدائی جذبات ہین۔ یعنی بچہ اپنی زندگی مین سب سے پہلے جن کیفیات سے متحسِس ہوتا ہی، وہ یہی ہوتے ہین۔ لیکن

سلہ بعض نفسیین اس امر کے قائل ہوے ہین، کہ حظ و الم بجاے جذبات یا عناصر جذبات کے، حاسّات ہین، اسی طرح کہ جیسے سامعہ، لامسہ، باصرہ، وغیرہ حاسّات ہین لیکن حاسہ ہر کے لیے ضروری ہی کہ کوئی عضو خاص اسکا آلہ ہو، جیسے آلۂ بصارت آنکھ ہی، آلۂ سماعت کان ہی، آلۂ ذوق زبان ہی وغیرہ۔ یا اگر یہ نہو، تو کم از کم اتنا تو ضرور ہو، کہ اس حاسّہ کے لیے بعض اعصاب مخصوص ہون۔ اس بنا پر ان نفسیین کا فرض تھا، کہ نام نہاد حاسات حظ و الم کے آلات یا اعصاب کی تعیین کرین۔ یہ لوگ اس اعتراض سے بے خبر نہ تھے، چنانچہ ان مین سے بعض نے الم کے لیے کچھ خاص اعصاب کی تعیین کی ہی۔ مگر ان لوگون کا یہ دعویٰ غالباً کسی غلط فہمی پر مبنی تھا، چنانچہ علمی حلقون مین کافی رد و قدح کے بعد بھی یہ دعویٰ قطعاً نامقبول رہا، بلکہ اس جماعت کے بعض اکابر نے خود ہی بعد کو اس خیال سے رجوع کیا، اور تشریح و عضویات کے علما کو اسکی تائید مین اب تک خفیف شہادت بھی نہین ملی۔ ڈاکٹر ہیلیبرٹن ایک مشہور عالم عضویات کہتا ہی کہ "الم کے اعصاب، تشریحی حیثیت سے، دوسرے اعصاب سے ممتاز و متبائن نہین بلکہ عام اعصاب حسیہ ہی کا ہر غیر معتدل تہیج الم پیدا کر دیتا ہی"۔ اسی کے قریب قریب فاسٹر وغیرہ دیگر علما عضویات نے بھی لکھا ہے۔

قبل اسکے کہ ان کے خصائص علٰحدہ علٰحدہ بیان کیے جائین، ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہی، کہ ان دونون مین تقدم زمانی کس کو حاصل ہی؟ یہ بحث مدت سے چلی آتی ہی، مگر ابتک کوئی قطعی فیصلہ نہین ہوسکا ہی۔ نفسیین کا ایک گروہ دلائل ذیل کی بنا پر مسرت کو غم پر مقدم قرار دیتا ہے:-

(۱) اولاً جب حظ و مسرت کی تعریف ہی یہ ہی، کہ وہ افعال حیات بخش کی علامت ہی، اور اسکے مقابلہ مین غم والم اختلال حیات کی دلیل ہی، پس یہ کیونکر ممکن ہی کہ انسان تکوین حیات کے ابتدائی لمحہ مین، کیفیات حیات فرسا، یعنی غم والم سے متاثر ہو؟ ڈیکارٹ نے، جو اس گروہ کا سالار لشکر ہوا ہی، اپنے خیالات کو اگرچہ مصطلحات الٰہیات کے پردہ مین ظاہر کیا ہی، تاہم اسکا مفہوم بالکل یہی ہی۔ کہتا ہی کہ "یہ امر ناقابل یقین ہی، کہ روح جسم کے اندر ایسے وقت مین داخل کی جائے، جبکہ وہ اس پر بہ طیب خاطر رضامند نہ ہو۔ اسلیے ظاہر ہی کہ بچہ اپنی پیدائش کے وقت مسرت و انبساط سے متکیف ہوتا ہوگا"۔

(۲) ثانیاً یہ کہ الم بذات خود کوئی مستقل شی نہین۔ اصل ایجابی کیفیت جو مدار حیات ہی، حظ یا مسرت ہے۔ الم و انقباض تو محض سلب انبساط کا نام ہی۔ اس لیے لازمی ہی کہ ترتیباً انبساط انقباض پر، اور مسرت غم پر مقدم ہو۔

دوسرا فریق اسکے مقابلہ مین یہ حجت پیش کرتا ہی، کہ ولادت کے وقت بچہ دفعۃً بالکل نئے اور اجنبی حالات کے درمیان قدم رکھتا ہی، اور اس اچانک

تغیرِ ماحول کا لازمی اقتضا تکلیف و الم کا احساس ہی، چنانچہ بچہ پیدا ہوتے ہی جو رونے لگتا ہی، وہ اسی احساس کرب کا نتیجہ ہے -

لیکن نفسیات طفولیت کا مشہور محقق پریر اسکے جواب مین کہتا ہے، کہ اطفال نوزاد کا گریہ، ایک حرکت اضطراری ہی جس مین ان کے شعور کو مطلق دخل نہین، چنانچہ بعض اطفال جو بغیر سر و دماغ کے پیدا ہوتے ہین وہ بھی تولد ہوتے ہی چیختے ہین - اور پھر یہ بھی صحیح نہین، کہ ولادت کے وقت گریہ و بکا کوئی عالمگیر قاعدہ ہے، ایسے بہت سے صحیح و تندرست بچے مشاہدے مین آچکے ہین، جو پیدائش کے وقت چیختے نہین بلکہ چھینکتے ہین -

غرض اگرچہ قطعی شہادت اس مسئلہ پر نفیاً و اثباتاً کسی جانب موجود نہین، تاہم جہان تک قرائن و احتمالات کا تعلق ہی، یہ کہا جا سکتا ہی، کہ غم و الم پر حظ و مسرت کا تقدم زیادہ قرین قیاس اور بیان کردہ بالا ماہیت کے زیادہ مطابق ہی،

اب ذیل مین غم و مسرت کے خصوصیات علیحدہ علیحدہ درج کیے جاتے ہین - پہلے خصائص مسرت کو لیجیے - اسکے آثار جسمانی حسب ذیل ہوتے ہین:-

(۱) دوران خون مین تغیر -

انبساط کی پہلی جسمانی خصوصیت یہ ہی، کہ تمام جسم مین عموماً، و سر و چہرہ مین خصوصاً دوران خون کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہی، چنانچہ حالت مسرت مین چہرہ پر رونق، اور آنکھون مین چمک کا آجانا اسی کا نتیجہ ہی، قلب کی حرکات انقباضی جلد جلد

ہونے لگتی ہین، شرائین کے دہانے پھیل جاتے ہین جس سے جلد مین ایک تازگی محسوس ہونے لگتی ہے۔ جسم تن جاتا ہی، اور آنکھین بلند ہو جاتی ہین۔

(۲) تنفس مین تغیر

یہی حال تنفس کا بھی ہی، انسان سانس جلد جلد لینے لگتا ہی، اور حرارت عزیزی بڑھ جاتی ہے۔

(۳) عام نظام جسمانی مین تغیر۔

بھوک کھل جاتی ہی؛ کاہلی دور ہو جاتی ہی، انسان اپنے تئین مشقت کے لیے مستعد پاتا ہے؛ تمام اعضا جسم اپنے وظائف چستی کے ساتھ انجام دینے لگتے ہین، اعمال بدل ما تحلل مین سرعت پیدا ہو جاتی ہی، اعضا مین تقویت آجاتی ہی یہی سبب ہی کہ جو لوگ خوش طبع و خندہ جبین ہوتے ہین، انکی صحتین عموماً اچھی اور عمرین اکثر دراز ہوتی ہین بعض رطوبات (خصوصاً دودھ بنانے والے غدود) کی فعلیت مین بھی افزایش ہو جاتی ہے۔

(۴) حرکات عضلی مین تغیر۔

عضلات مین قوت کا ذخیرہ جو مجتمع رہتا ہی، وہ دفعتہً خارج ہونا چاہتا ہی اور اسلیے انسان مختلف اضطراری حرکات کرنے لگتا ہی۔ فرط انبساط سے انسان ہنستا ہے، نعرہاے مسرت بلند کرتا ہی، تالیان بجاتا ہی، گاتا ہی، ناچتا ہی، یہ سب اسی کے شواہد ہین بچے اس بارہ مین خصوصیت کے ساتھ اثر پذیر ہوتے ہین

کسی لذیذ کھانے یا تماشے کی چاٹ اُنھیں دلاؤ، اور دیکھو کہ کیسا اُچھلتے کودتے ہین اور دیگر حرکات کے ذریعہ سے اپنی جوش مسرت کا اظہار کرتے ہین - یہی حال حیوانات کا ہی - عرصہ سے اصطبل مین بندہا ہوا گھوڑا میدان پاکر کیسی کلیلین کرتا ہی! کتا اپنے مالک یا اپنی خوراک کو دیکھکر کیسا بھونکتا، اُچھلتا، اور دُم ہلاتا ہے!

بعض مرتبہ تعلیم یافتہ افراد، بلکہ حکما تک، فرط مسرت مین ایسی حرکات کرنے لگتے ہین جو قطع نظر بیہودہ ہونے کے مضحکہ خیز ہوتے ہین - ایک یونانی حکیم کا قصہ مشہور ہی، کہ ایک مرتبہ بادشاہ نے اس سے دریافت کیا، کہ طلا کا وزن مخصوص کیا ہوتا ہی؟ حکیم اُس وقت کچھ جواب نہ دے سکا، مگر اس فکر مین برابر ہر وقت مشغول رہنے لگا یہان تک کہ ایک روز جب وہ غسل کے لیے حوض مین کودا، تو اس مین سے اپنے جسم کے ہم وزن پانی خارج ہوتے دیکھکر دفعۃً اسکا ذہن اس مسئلہ کی طرف منتقل ہوگیا، کہ پانی کو رکابی قرار دیکر اسکے تناسب سے دھات کا وزن دریافت کرنا چاہیے - اس اکتشاف سے حکیم اتنا مسرور ہوا، کہ فوراً حوض سے برہنہ نکل آیا، اور اسی حالت عریانی مین "مین نے دریافت کرلیا" "مین نے دریافت کرلیا" کے نعرہ لگاتا ہوا دربار شاہی کو دوڑ گیا - ایسی ہی روایت مشہور عالم کیمیا، سر ہمزی ڈیوی کی بابت منقول ہے، جس نے پوٹاشیم کے اکتشاف پر اپنے معمل مین رقص کرنا شروع کردیا تھا - باانیہمہ یہ واقعات لسیقدر استثنائی حیثیت رکھتے ہین، کیونکہ دراصل اس طرح کے بے اختیارانہ حرکات عموماً

بجاے مسرت موجودہ کے موقع کے، مسرت آیندہ کے توقع حصول مین سرزد ہوتے ہین، چنانچہ کتون کی مضطربانہ حرکات اسی وقت تک قائم رہتی ہین جبتک انکی خوراک انھین دور سے دکھلائی جاتی ہے، اور جب اُنھین مل جاتی ہی، تو سکون کے ساتھ کھانے لگتے ہین۔ اور یہی حال بچون کا بھی ہوتا ہی۔ کبھی کبھی شدت مسرت مین انسان کی بعینہ وہ کیفیت ہوجاتی ہی، جو منشیات کے استعمال سے ہوتی ہی۔ ڈاکٹر کرچٹن براؤن ایک نوجوان کا واقعہ بیان کرتے ہین، جسے دفعتًہ تار کے ذریعہ سے ایک عظیم الشان ترکہ کے حصول کی اطلاع ملی، یہ خبر پاتے ہی اُس پر تقریبًا وہ تمام کیفیات طاری ہوگئین، جو بادہ نوشی کی علامات ہین، مثلاً رفتار مین لغزش، زبان مین لکنت، وغیرہ۔

مسرت کے مختلف مدارج ہوتے ہین، اور اسی تفاوت کے لحاظ سے اسکے مختلف نام ہوتے ہین۔ اگر طبیعت مین ہلکا، لیکن مستمر، احساس مسرت رہتا ہو، تو زندہ دلی یا خوش طبعی ہے، کسی آیندہ مسرت کی توقع ہو تو امید ہی۔

غم فی نفسہ ضدّ مسرت ہی۔ مسرت جس طرح حیات انسانی کی صحت وثبات کی دلیل ہی، غم اسی طرح اختلال نظام حیات کی علامت ہی۔ اسی لیے غم ومسرت کے متلازمات جسمانی اصولًا باہم بالکل متضاد ہوتے ہین، بلکہ یہ تضاد اکثر انکی تفصیلات تک مین پایا جاتا ہی۔ غم کے آثار جسمی درج ذیل ہین :۔

(۱) نظام دموی مین اختلال۔

غم و الم کی ایک خاص علامت یہ ہے، کہ حرکات قلب بہت دھیمی پڑجاتی ہین اور دوران خون کی رفتار سست ہوجاتی ہے۔ اسی واسطے فرط غم مین غشی طاری ہوجاتی ہے، نبض ماندپڑجاتی ہے، آنکھون کی چمک جاتی رہتی ہے، چہرہ پر زردی و بی رونقی چھاجاتی ہے، جلد خشک ہوجاتی ہے، آنکھین جھک جاتی ہین، اور گویا اندر کی طرف گڑجاتی ہین۔ لب، رخسار، اور جبڑے کے جھک جانے سے چہرہ نیچے کو لٹک آتا ہے۔ اختلال خون کا ایک اثر حرارت غریزی کی تقلیل ہوتا ہے، جسکے باعث مغموم شخص، صعوبات موسم، خصوصًا سردی کو بالکل نہین برداشت کرسکتا۔ الم اور حرکات قلب کی سستی کا تلازم اسقدر قطعی و ناقابل تغیر ہے، کہ حیوانات کا کاسہ سر علیحدہ کردینے کے بعد بھی جب کبھی ان کے اعصاب کو الم انگیز تہیج پہونچایا جاتا ہے، تو ان کے حرکات قلب کی شرح رفتار ہمیشہ مدھم پڑجاتی ہے کبھی کبھی سیاہ بال دفعتہً سفید ہوجاتے ہین۔

(۲) تنفس مین اختلال۔

تنفس سست پڑجاتا ہے، دم گھٹنے لگتا ہے، البتہ اس تکلیف کو رفع کرنے کے لیے انسان ہر چند منٹ کے بعد اضطرارًا ایک گہری سانس لے اُٹھتا ہے جسے عام گفتگو مین آہ سرد بھرنا کہتے ہین۔ کاربونک ایسڈ کی مقدار، جو ہر سانس کے ساتھ باہر آتا ہے، کم ہوجاتی ہے۔

(۳) اعمال ہضم مین اختلال۔

رطوبات معدی و کبدی کی تولید بہت کم ہو جاتی ہی، جسکے باعث غذا ہضم نہین ہوتی، اور کبھی قبض، کبھی اسہال، اور کبھی استفراغ کی شکایات پیدا ہو جاتی ہین۔ اختلال ہضم کے تادیر قائم رہنے سے رفتہ رفتہ لاغری و نقاہت بڑھتی جاتی ہی، اسی لیے جو لوگ عموماً افسردہ و محزون رہا کرتے ہین، انکی صحتین خراب اور عمرین مختصر ہوتی ہین۔

(۴) نظام غددی مین اختلال۔

رطوبات کے عام غدود اپنے افعال ترک کر دیتے ہین، جس سے جسم مین خشکی بڑھ جاتی ہی۔ البتہ آنسوون کے غدود اس کلیہ سے مستثنیٰ ہین۔ وہ خصوصیت کے ساتھ مشغول کار رہتے ہین، اور اسی لیے اشکباری ایک نمایان علامت غم سمجھی جاتی ہی۔ لعاب دہن کی تقلیل سے مُنہ خشک ہو جاتا ہی، جسکے باعث زبان کا ذائقہ بھی کسی قدر تلخ ہو جاتا ہی۔ (اور اس لیئے تلخی غم محض مجاز تعبیری نہین، بلکہ واقعہ بیانی ہی)۔ بعض دفعہ تولید بول بھی مختل ہو جاتی ہی۔

(۵) اعصاب محرکہ مین اختلال۔

شدت غم مین، اعصاب محرکہ کے اختلال کے دو بالکل مختلف طریق ہوتے ہین، کبھی تو ایسا ہوتا ہی، کہ قوائے محرکہ بالکل شل ہو جاتے ہین، اور انسان بیحس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑا رہ جاتا ہی۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہی کہ وہ غیر معمولی طور پر تیز ہو جاتے ہین، اور انسان چیخنے، چلانے، بال نوچنے، مُنہ پیٹنے اور اسی طرح کی

دیگر بے معنی حرکات کرنے لگتا ہی۔ یہ سچ ہے، کہ اسی طرح کی حرکات فرط انبساط مین بھی
سرزد ہونے لگتی ہین، لیکن اُسوقت ان کا باعث ایک فراہم شدہ ذخیرۂ قوت کا اخراج
ہوتا ہی، بخلاف اسکے فرط غم مین یہ حرکات اپنے فاعل کے لیے مضعف و افسردگی افزا
ہوتی ہین۔ اکثر ایک طرح کا تکان محسوس ہونے لگتا ہے، جسکے باعث مغموم انسان
کے تمام اعمال مین سستی آجاتی ہی۔ اسکو چلتا ہوا دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اپنے تئین گھسیٹ
رہا ہے۔ عضلات حلق و حنجرہ کے متاثر ہونے سے آواز ضعیف ہوجاتی ہی، اور
کسل و تکان سے معمولی بات چیت مین بھی انسان کو محنت پڑتی ہے۔

بعض مصنفین نے الم کو دو مستقل عنوانات کے تحت مین تقسیم کیا ہے:۔
الم جسمانی، اور الم نفسی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تقسیم صحیح نہین۔ تمام آلام
من حیث الآلام یکسان ہوتے ہین، اور نوعی حیثیت سے ایک الم کو دوسرے سے
ممتاز کرنے والی کوئی شی نہین ہوتی فرق جو کچھ ہوتا ہے، وہ بہ لحاظ ان کے مآخذ
کے ہوتا ہی، یعنی الم جسمی کا مبدا کوئی حصۂ جسم ہوتا ہی، اور الم نفسی کا مبدا کسی شی
کا ادراک یا تصور ہوتا ہی، ورنہ من حیث الالم ہر دو قسم کے آلام مین کوئی فرق نہین
ہوتا۔ پھر الم کے یہ مظاہر دوگانہ عین ماہیت الم کے مطابق ہین۔ اس لیے
کہ (جیسا کہ ایک گذشتہ باب مین کہا جا چکا ہی) الم نام ہی حیات انسانی مین کسی
اختلال و بدنظمی کے وقوع کا، اور ظاہر ہی کہ حیات انسانی مرکب ہی دو اجزا سے
ایک حیات جسمی، دوسرے حیات نفسی۔ پس جب حیات جسمی مین اختلال واقع

ہوتا ہی، تو اسکا نام ہی الم جسمی، اور جب حیات نفسی مین اختلال واقع ہوتا ہی تو اسکا
نام ہے الم نفسی۔ اس سلسلہ مین یہ نکتہ قابل لحاظ ہے، کہ بعض دفعہ ایک آن واحد
مین انسان، الم جسمی والم نفسی دونون کیفیات سے ساتھ ہی متاثر ہوتا ہے لیکن
ایسے موقع پر انسان کو محسوس صرف وہی ایک کیفیت ہوتی ہی، جو قوی تر و تیز تر
ہوتی ہی، گو علی العموم ایسے موقع پر عملاً غلبہ الم نفسی ہی کو حاصل رہتا ہی، یعنی یہ
اکثر ہوتا ہی کہ جسمانی اذیت کو ذہنی تکلیف کے مقابلہ مین انسان بھول جاتا ہے
(بشرطیکہ اذیت جسمانی نسبتاً غیر معمولی طور پر قوی نہ ہو) کسی عزیز یا دوست کی
خبر وفات سُنکر خود اپنی بیماری کو کچھ دیر کے لیے بُھول جانا، یا آپریشن روم مین جاتے
وقت عمل جراحی کے دہشت ناک تصور کے سامنے زخم کے موجودہ درد کا مٹ جانا
ایسے عام واقعات ہین، جنکا تجربہ ہر شخص کو اپنی زندگی مین ہوتا ہے۔

مسرت کی طرح، غم کے بھی مختلف مدارج، اور مختلف مدارج کے مختلف نام
ہوتے ہین۔ ابتدائی منزل مین الم جسمی کو **اضمحلال**، اور الم نفسی کو **افسردگی** کہتے
ہین۔ یہ کیفیات کسی الم عظیم کے لیے بہ طور مقدمہ یا ضمیمہ کے ہوتی ہین۔ کسی آیندہ
الم کی توقع کا نام تردد و تشویش ہی۔ کسی الم مین جب افاقہ یا ازالہ کی توقع بالکل اُٹھ
جائے، تو اسے **یاس** کہتے ہین۔ اسی طرح اندوہ، حرمان، حزن، ملال، پریشانی،
حسرت، کرب، درد، اذیت، کلفت، وغیرہ الم کے بیسیون نوعات ہین۔
غم و مسرت کی بحث مین ایک سخت معرکتہ الآرا مسئلہ یہ ہی، کہ آیا انسان

کسی وقت، غم و مسرت، انقباض و انبساط، دونون متضاد جذبات سے قطعاً آزاد و خالی الذہن رہ سکتا ہے؟ کیا یہ ممکن ہی کہ شادی و غم ہر دو کیفیات سے قطعی و مساوی طور پر آزاد ہو کر انسان پر تھوڑی دیر کے لیے بھی ایسی حالت طاری ہے، جب نہ وہ مغموم ہو نہ مسرور، نہ افسردہ ہو نہ زندہ دل، اور نہ چاق ہو نہ مضمحل؟ اکثر اکابر نفسیین (مثلاً **بین، ونٹ، ریبو**) اس کا جواب اثبات مین دیتے ہین، اور اپنی تائید مین دلائل ذیل سے استشہاد کرتے ہین:-

اولاً، جب یہ مسلم ہے، کہ غم و مسرت، حظ و الم، ایک دوسرے مین تبدیل ہو سکتے ہین، تو ضرور ہے کہ ایک ایسا نقطہ بھی آئے، جہان ان دونون کی سرحدین ملتی ہین، اور جو ان دونون کے عین وسط مین واقع ہی، پس یہی وہ مقام ہے جس پر پہونچکر انسان غم و مسرت دونون سے یکسان طور پر غیر متاثر رہتا ہے۔

ثانیاً، ہر شخص کے تجربہ مین واقعۃً ایسی کیفیات احساسی آتی ہین جن سے اُس مین محض ایک جوش، ولولہ، یا اشتعال کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، لیکن غم و مسرت کا کوئی اثر نہین ہوتا۔ مثلاً اپنی ذات سے غیر متعلق کسی عجیب واقعہ کو سُن کر ہمین صرف ایک جوش حیرت محسوس ہوتا ہے۔ یا گھوڑدوڑ کی بازی دیکھتے وقت جس سے ہمین ذاتی طور پر کوئی سروکار نہین ہوتا، ہمین صرف انتظار و توقع کی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔

لیکن یہ دلائل مؤلف ہذا کے نزدیک چندان قوی نہین ایسے مسائل مین سب سے زیادہ غیر مشتبہ و قابل اعتماد شہادت خود ہمارے شعور کی ہوتی ہی، پس ہمین خود اپنے باطن کی جانب رجوع کرکے اپنا اطمینان کرنا چاہیے لیکن ہمارے مطالعہ باطن کا فتویٰ یہ ہی، کہ ہمارے تجربہ مین ایسی کوئی حالت احساس نہین آتی، جس مین ہم غم یا مسرت، انبساط یا انقباض کا خفیف سے خفیف شائبہ محسوس کرتے ہون۔ اسکے صحت کی آزمائش کا سب سے قطعی الدلالۃ معیار یہ ہی، کہ جو شخص بظاہر غم و مسرت کی کیفیات سے کسی وقت بالکل آزاد معلوم ہوتا ہو، اس سے دریافت کرنا چاہیے، کہ آیا وہ اپنی موجودہ حالت کو قائم رکھنا چاہتا ہی یا نہین؟ اگر اسکا جواب وہ اثبات مین دے، تو ظاہر ہی، کہ وہ حظ و انبساط کی ایک کیفیت پنہان سے ضرور متاثر ہو رہا ہے؛ اور اگر نفی مین دے تو اسی طرح یقیناً الم و انقباض کی ایک نہایت دقیق قوت اُسپر عمل کر رہی ہی، خواہ وہ بادی النظر مین شادی و غم ہر دو کیفیات سے کتنا ہی آزاد و وارستہ نظر آتا ہو۔ پھر غم و مسرت کی جو ماہیت اوپر بیان کی گئی ہی، وہ بھی اسی کی مقتضی ہے، کہ کوئی انسان کسی گھڑی ان کیفیات سے آزاد نہ ہو۔ اسلیے کہ عضویات کا یہ ایک مسلم مسئلہ ہے، کہ حیات انسانی مین کون و فساد، التیام و خرق، انضمام و انتشار کی متضاد قوتین ہر لحظہ و ہر آن عمل پیرا ہوتی رہتی ہین، اور چونکہ غم و مسرت، علی الترتیب، انھین دو کیفیات جسمی کے نفسی مثنی ہین، اس لیے ضرور ہی کہ نفس انسانی کسی وقت ان دونون کیفیات سے بالکل معرا نہ ہو۔

خوف

صیانت حیات کے لیے لازمی ہی، کہ افراد مین دو چیزون کی فطری استعداد موجود ہو، ایک مدافعت، یعنی عوامل مہلکہ سے اپنے تئین محفوظ رکھنے کی، دوسرے مسابقت، یعنی اپنے دشمنون کو فنا کر دینے کی۔ ان مین سے قوت دفاع کا مظہر **خوف** ہی۔ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے یہ جذبہ، بجز جذبات مسرت و غم کے، بچہ مین سب سے پہلے، ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ پریر کے اندازہ مین بچہ کی پیدائش کے تیئیسوین دن، **پیرز** کی تحقیقات مین دو مہینے کے بعد، اور ڈارون کے مشاہدہ مین چوتھے مہینہ، یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہی۔ اپنے کسی آیندہ نقصان، یا اذیت کے تصور سے، معاً جذبہ کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، اسکا نام خوف ہی
اسکے آثار جسمانی درج ذیل ہین:—

(۱) نظام دموی مین اختلال۔

دوران خون مین سخت فتور واقع ہوجاتا ہی، شرائین کے دہانے سکڑ کر تنگ ہوجاتے ہین جسکے باعث بدن مین رعشہ پڑجاتا ہی اور لب خصوصیت کے ساتھ مرتعش ہوجاتے ہین۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگتا ہی، مگر رفتار خون سست رہتی ہی، جسکے سبب سے جسم زرد پڑجاتا ہی کبھی بعض اعضا مین تشنج ہونے لگتا ہے۔

(۲) اعصاب ارادی مین اختلال۔

اعصاب محرکہ شل ہوجاتے ہین۔ انسان کو اپنے عضلات پر قابو نہین رہتا، ہاتھ پیر بند ہوجاتے ہین، بھاگنا چاہتا ہی تو قصداً ایک طرف کا کرتا ہی، مگر قدم دوسری طرف پڑتے ہین، بلکہ نہایت شدید خوف مین نقل و حرکت بالکل ناممکن ہوجاتی ہے، انسان ایک ہی مقام پر کھڑے کا کھڑا رہجاتا ہی، آواز بھاری و کنجلک ہوکر بعض دفعہ بالکل بند ہوجاتی ہی، زبان سے ایک حرف نہین نکلتا۔ آنکھین مخوف شی کی طرف گڑجاتی ہین، پتلیان کشادہ ہوجاتی ہین۔ ہاتھ اضطراراً آگے کی طرف پھیل جاتے ہین۔

(۳) نظام آلی مین اختلال۔

مختلف غدود اپنے اپنے افعال چھوڑ دیتے ہین، غدود لعابی کا فعل باطل ہوجاتا ہے، جسکی وجہ سے مُنہ بالکل خشک ہوجاتا ہی[۱]، زبان تالو سے

---

[۱] ہمارے ملک کے بعض حصون (مثلاً اودھ) مین یہ رسم بعض ادنی طبقون مین جاری ہی کہ جس شخص پر چوری کا شبہ ہوتا ہی اُسے چاول نپکر اور اُن پر کچھ دعائین پڑھکر کھلاتے ہین۔

لگ جاتی ہی، عورتون کی چھاتیون مین دودھ خشک ہوجاتا ہی، حیض رک جاتا ہی۔ ٹھنڈا پسینہ آنے لگتا ہے، جلد پر بال کرخت ہوکر کھڑے ہوجاتے ہین تنفس مین دقت ہونے لگتی ہی، یہ معلوم ہوتا ہی کہ حلق مین کوئی شے پھنس گئی ہی۔ احشاد کے عصاب ماسکہ کے مختل ہوجانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہی، کہ پیشاب بے اختیار خارج ہوجاتا ہی اور کبھی کبھی براز بھی نکل پڑتا ہی۔ معدہ و انتڑیون کی رطوبات خشک ہوجانے سے اشتہا بالکل جاتی رہتی ہی۔ بعض دفعہ دست بھی آنے لگتے ہین۔

خوف جب درجۂ شدت کو پہونچ جاتا ہے، تو اسے **دہشت** کہتے ہین

دہشت کی حالت مین خوف کے آثار جسمانی اور زیادہ قوی و نمایان ہوجاتے ہین، اور منہ سے بیاختیار چیخ نکل جاتی ہی۔ کبھی کبھی چہرہ بالکل نیچے لٹک آتا ہی۔ ڈاکٹر **اوجل** بیان کرتے ہین، کہ ایک مرتبہ اُنکے ہسپتال مین ایک مسموم شخص بغرض علاج آیا، جسکے متعلق بعد کو معلوم ہوا کہ وہ قاتل ہی۔ پولیس گرفتاری کے لیے آئی جسوقت وہ پابہ جولان کیاجارہا تھا، اسوقت اُسکا سارا جسم کانپ رہا تھا، اور اُسکے عضا اتنے بے قابو ہوگئے تھے، کہ وہ اپنے ہاتھ سے کپڑے بھی نہین پہن سکتا تھا۔ جلد پسینہ سے ترتھی، اور چہرہ اسقدر لٹک آیا تھا، کہ ڈاکٹر **اوجل** نے اُسکی آنکھون کی

(بقیہ عبارتِ حاشیہ صفحہ ۵۲) اور یہ یقین رکھتے ہین کہ اگر وہ واقعی مجرم ہوگا، تو دعا کے اثر سے چاول اسکے حلق سے نہ اتر سکینگے۔ دعا کا کوئی اثر ہوتا ہو یا نہو، لیکن چاولون کے حلق سے نیچے نہ اترنے کا سبب یہ ہی کہ مجرم کا منہ شدت خوف سے بالکل خشک رہتا ہی۔ نومشق مقررین جو اثنائے تقریر مین بار بار پانی پیتے ہین انکے حلق کے خشک ہوجانے کا باعث بھی محض اُنکی خستگی نہین، بلکہ یہ بھی ہی کہ وہ حاضرین سے مرعوب و خوف زدہ ہوتے ہین

حالت کے مشاہدہ کرنے کی ہرچند کوشش کی، مگر کسی طرح کامیابی نہ ہوئی۔
ڈارون نے اپنی کتاب مین مسٹر مینی نامے کسی شخص کی زبانی ایک دہشتناک موقع کی تصویر اس خوبی سے کھینچی ہے، کہ (چند جزئی تغیرات کے ساتھ) ہم اُسے ذیل مین نقل کرنا ضروری خیال کرتے ہین۔ مسٹر موصوف کہتے ہین کہ "ایک مرتبہ انگلستان کے ایک گانون مین میرا گذر ہوا، جہان ایک نہایت قدیم مکان، صدیون کا بنا ہوا موجود تھا۔ یہ مکان مکینون سے بالکل خالی سنسان پڑا ہوا تھا، جسکے اندر بجز ایک چوکیدار کے، جو شاگرد پیشہ مین رہا کرتا تھا، مدت سے کسی متنفس کا گذر نہین ہوا تھا۔ البتہ قدیم زمانہ کا فرنیچر، سامان آرایش، نیز اسلحہ وغیرہ جو کچھ تھے وہ ایک کمرہ کے اندر بدستور جون کے تون رکھے ہوے تھے، اور اس سے مکان کی وحشت دوبالا ہو رہی تھی۔ مین اسی مکان کے اُس کمرہ مین داخل ہوا، جو ایک زمانہ مین خوابگاہ تھا، اور دروازے کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوے آفتاب کی طرف دیکھنے لگا، جسکی شعاعین کھڑکی پر پڑ رہی تھین۔ مین اس وقت بالکل سیاہ لباس پہنے ہوے تھا، اور بےحس و حرکت سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا، کہ اتنے مین عقب سے ایک خمیدہ پشت ضعیفہ کمرہ مین داخل ہوئی، اور اس کا دروازہ کھلا ہوا پاکر متحیر ہوئی۔ رفع حیرت کے لیے جونہی اُسنے سر اُٹھایا، مجھے اُس ہیئت کذائی سے بُت بنا کھڑا ہوا پایا، اور مجھے وہ یقیناً کوئی جن یا بھوت سمجھی۔ مجھپر نظر پڑتے ہی یہ معلوم ہوا، کہ گویا اسکے جسم کو کسی نے ایک زبردست جھٹکا

دیا۔ انگوٹھون کے بل وہ تن کر کھڑی ہوگئی، اور اپنے دونون ہاتھ زور سے اوپر اوٹھا کر سامنے کو پھیلا دیے۔ مین نے دیکھا کہ اس وقت اسکا سر کسی قدر پیچھے کی جانب ہٹا ہوا تھا، آنکھون کے ڈھیلے باہر نکلے پڑتے تھے، اور منہ بکایک پھیل گیا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ بیساختہ چیخ اُٹھی تھی۔ یہ حالت دو چار سکنڈ تک قائم رہی، اسکے بعد وہ بے تحاشا بھاگی، مگر اب تک برابر چیختی جاتی تھی۔ یہ تو اس ضعیفہ کی کیفیت تھی۔ مگر ادھر خود میری حالت بھی کچھ کم قابل لحاظ نہ تھی۔ ایسے سنسان مقام پر اس بھیانک شکل کی عورت کو دیکھکر مین بھی مبہوت ہوگیا تھا، میری ٹکٹکی اسکی طرف جم گئی تھی، مین اپنی جگہہ پر دم بخود رہ گیا تھا، اور مین محسوس کر رہا تھا، کہ میرا منہ اور آنکھون کی پتلیان پھیلی ہوی ہین۔ میرے دل مین یہی خیال گذرا تھا، کہ وہ عورت کسی دوسرے عالم کی مخلوق ہی۔ البتہ جب وہ بھاگی، تب مجھے اپنی اور اسکی دونون کی صحیح حالت کا اندازہ ہوا، اور مین اُسکے پیچھے اُسکی دلدہی کی غرض سے لپکا۔"

ان بیانات سے معلوم ہوا ہوگا، کہ خوف کے آثار جسمی، مجموعی طور پر، افراد کی ہلاکت وفنا کی طرف مؤدّی ہوتے ہین۔ اور نیز بعض حیثیات سے، خوف اور غم کے آثار بالکل متحد ہین۔ لیکن یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ایسے تمام مواقع پر آثار خوف بمقابلہ آثار غم کے زیادہ نمایان و زیادہ قوی ہوتے ہین۔ باب ہذا کے شروع مین ہم کہہ آئے ہین، کہ جذبۂ خوف، صیانت حیات کا کام دیتا ہی یعنی اسی کے

سبب سے ہم اپنے تئین خطرات و مہلکات سے بچا سکتے ہین - مگر کیا اسکے آثار مندرجہ بالا اس دعوے کی تائید کرتے ہین ؟ بے شبہ وہ ایک بڑی حد تک کرتے ہین - ایک خوفناک شی کے سامنے راہ فرار اختیار کرنا (جسکا محرک بھی جذبہ خوف ہوتا ہی) بداہتہً تحفظ نفس کا ایک ذریعہ ہے ؛ اسی طرح حالت خوف مین جسم پر رعشہ پڑجانا اس لحاظ سے مفید ہی، کہ اس سے خون کی حرارت قائم رہتی ہے ؛ اور پھر اسی طرح اعضاے محرکہ کا شل ہوجانا اور حرکت پر قادر نہ ہوسکنا (گویہ بظاہر سراسر مضر معلوم ہوتا ہی) اس لحاظ سے کارآمد ہی، کہ بسا اوقات درندون کے حملے سے محفوظ رہنے کی بہترین صورت یہ ہی، کہ وہ اپنے شکار کو مردہ سمجھ لین، اور انھین اس امر کے یقین دلانے کا بہترین ذریعہ سلب قوت حرکت ہے -

باانہمہ اسکا اعتراف بھی واجب ہی، کہ بعض آثار جسمانی بجاے اس کلیہ کے موّید ہونے کے اسکے بالکل معارض ہین، اور ان کے سبب سے انسان حالت خوف مین بجاے ہلاکت سے بچنے کے، خود اسکی طرف بڑھ جاتا ہی - یہ مستثنیات ہین، اور انکی کسی معقول توجیہ پر علم النفس ابتک نہین پہونچ سکا ہی -

یہان تک خوف کے علامات و آثار جسمی کا بیان تھا - اب اس پر خالص نفسی نقطۂ خیال سے نظر کرتے ہین - یہ اوپر کہا جاچکا ہی، کہ آیندہ واقع ہونے والے خطرات کے ادراک یا تصور سے جو جذبہ پیدا ہوتا ہی، اُسکا نام خوف ہی - لیکن اس سے یہ مطلق لازم نہین آتا، کہ ان خطرات کا تجربہ افراد کو اپنی زندگی مین بشبیتر

ہوچکا ہو، بلکہ اسکے لیے صرف تجربہ متوارث کافی ہے۔ بچون کو دیکھا ہوگا، کہ کتے، بلی، وغیرہ بعض جانورون سے از خود ڈرنے لگتے ہین یا بادل کی آواز سے جھجک اُٹھتے ہین حالانکہ ان کو اپنی زندگی مین کبھی ان چیزون کے نقصانات کا تجربہ نہین ہوا ہی یہ سچ ہے، کہ اکثر صورتون مین اس مسئلہ کا حل، قانون مماثلت کی مدد سے ہوجاتا ہی یعنی بعض اشیاء کی دہشت ناکی کا اگرچہ ہمین کبھی براہ راست تجربہ نہین ہوا لیکن چونکہ انکی مماثل اشیاء کی دہشت ناکی ہمارے تجربہ مین آچکی ہے، اسلیے ہمارا ذہن ممثل و ممثل لہ دونون کو ایک حکم مین رکھدیتا ہے۔ تاہم بعض مثالین ایسی بھی ملتی ہین، جن مین اس توجیہ سے مطلق کام نہین چلتا۔ ایسے مواقع پر ہمین بداہتہً قانون توارث کی جانب رجوع کرنا پڑتا ہے، اور یہ ماننا پڑتا ہے، کہ جو اشیاء ہمارے اسلاف کے لیے خطرناک ثابت ہوئی تھین اُنکا خوف ہمارے نظام عصبی مین ایسا منقش ہوگیا ہے، کہ اسکے برانگیختہ کرنے کے لیے کسی انفرادی تجربہ کی حاجت نہین۔

بعض حکما کے نزدیک، جذبۂ خوف ان دو عناصر سے مرکب ہوتا ہے:۔ (۱) کسی متعین یا غیر متعین الم کا تصور، اور (۲) مستقبل مین ہماری ذات پر اسکے طاری ہونے کا تصور۔ لیکن یہ تحلیل صحیح نہین، اور خوف کے اجزائے ترکیبی محض دو "تصورات" قرار دینا محض ناکافی ہی، تاوقتیکہ اسمین ایک کیفیت احساسی کا شمول نہ کیا جائے، کہ اس کیفیت احساسی کے بغیر کوئی جذبہ، جذبہ نہین

بن سکتا۔ پھر بھی یہ ضرور ہے، کہ جذبۂ خوف کی تکوین مین تصور الم کو بہت کچھ دخل ہی اور اسی واسطے جن لوگون کا متخیلہ ضعیف ہوتا ہی، انھین دیگر جذبات کی طرح خوف کا احساس بھی بہت کم ہوتا ہے۔

خوف کے تنوعات، اندیشہ، ہراس، دہشت، وحشت وغیرہ مختلف نامون سے مشہور ہین، جنکی تشریح یہان قلم انداز کیجاتی ہی۔ البتہ خوف کی ایک شکل ایسی ہی جسکے متعلق دو ایک باتین بیان کرنا ضروری ہین اسکا نام **مرعوبیت** ہے۔ جب افراد کسی شے کی عظمت سے بدرجۂ غایت متاثر ہو جاتے ہین، تو ان کے قوائے وقوفی ماند پڑجاتے ہین، قوت تحقیق و تنقید معطل ہو جاتی ہی، اور غور و فکر کا مادہ سلب ہوجاتا ہی۔ ان کے آلات حواس بظاہر بالکل صحیح وسالم رہتے ہین لیکن وہ جو کچھ دیکھتے ہین ذی رعب و سطوت شخص کی آنکھون سے دیکھتے ہین، اور جو کچھ سُنتے ہین اُسی کے کانون سے سُنتے ہین۔ صاحب سطوت شخص کے ہاتھ مین، درحقیقت وہ مثل ایک بیجان آلہ کے ہوتے ہین، جس سے وہ جو کام چاہے لے سکتا ہے، لیکن باانیہمہ مرعوب افراد برابر یہی سمجھتے رہتے ہین، کہ اُن سے جتنے افعال سرزد ہورہے ہین، وہ کسی خارجی اثر سے نہین، بلکہ خود انھین کی قوت ارادی سے صادر ہو رہے ہین۔ پیروان مذہب کا اپنے مقتداؤن کے ناواجب سے ناواجب ارشادات پر بیچون وچرا ایمان لے آنا، اور جماعات کا کسی خطیب کے غیر معقول سے غیر معقول احکام کی بلاحجت و دلیل تعمیل کرنا اسی مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ اسکا سب سے بہتر توڑ یہ ہی کہ انسان اپنے قوائے مفکرہ کو

ترقی دے، اور جب اسمین قوت تنقید کا کافی نشو و نما ہو جائے گا، تو ستعباد و مرعوبیت کا از خود خاتمہ ہو جائے گا۔ مرعوبیت کا تاریک بادل، دراصل تنقید و تشکیک کی شعاعون کا ایک لمحہ کے لیے بھی متحمل نہین ہو سکتا۔

محرکات خوف، اگرچہ بیشمار ہین، تاہم ان کے اہم عنوانات حسب ذیل قرار دیے جا سکتے ہین:۔

(۱) **اجنبیت**۔ کسی نامانوس مقام مین جانے، کسی نئے کام مین ہاتھ لگانے، یا اجنبی اشخاص و حالات کے درمیان گھر جانے سے عموماً خوف کو تحریک ہوتی ہے۔

(۲) **محکومیت**۔ کسی مطلق الاختیار حاکم کے تحت مین غلامانہ زندگی بسر کرنے مین ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا ہے، کہ معلوم نہین آئندہ کیا واقعات پیش آئین۔

(۳) **ضعیف الاعتقادی** | بچون، عورتون اور سریع الاعتقاد اور
(۴)۔ **جہالت**۔ | جاہل مردون کو دیکھا ہوگا، کہ نہایت معمولی و بے ضرر چیزون سے خائف رہا کرتے ہین۔ مثلاً تاریک کمرہ مین جانے سے۔

(۵) **ضعف جسمانی** ضعیف القویٰ اشخاص پر بعض نہایت معمولی مہیجات (مثلاً آواز رعد) خوف کے آثار جسمانی طاری کر دیتے ہین، اور پھر اسی سے جذبہ خوف کی تکوین ہو جاتی ہے۔

(۶) **موت**۔ یہ محرک سب سے زیادہ عام ہے، کہ اس سے عالم و جاہل،

شاہ دگرا تقریبًا سب ڈرتے ہین ۔

اسی طرح واقعات خوف کے عنوانات مہمہ بھی حسب ذیل ہین :۔

(۱) **قوت ارادی** ۔ اسکے باعث انسان ضبط نفس سے کام لیکر ہراسان نہین ہوتا ۔

(۲) **قوت جسمانی** ۔ یہ ضعف جسمانی کے پیدا کردہ خوف کا علاج ہی ۔

(۳) **خود اعتمادی** ۔ اسکے باعث انسان، خطرات کے مقابلہ کے لیے تیار رہتا ہے، اور حالات مخالف سے اپنے تئین ہراسان نہین ہونے دیتا ۔

(۴) **وسعت نظر** ضعیف الاعتقادی و کوتاہ نظری سے جو خوف پیدا ہوتے ہین وہ اس سے رفع ہوتے ہین ۔

(۵) **وسعت اختیارات** ۔ محکومیت و مغلوبیت کے پیدا کردہ خوف کا علاج ہے ۔

(۶) **زندہ دلی** ۔ اسکے اثرات محتاج بیان نہین ۔

(۷) **بے توجہی** ۔ یعنی اپنے ذہن کو تصور خطرات سے ہٹا کر دوسری چیزون کی جانب متوجہ ہو جانا ۔ اکثر دیکھا ہوگا، کہ لوگ سنسان مقامات مین رات کو چلتے ہوے گانے، گنگنانے لگتے ہین ۔ اسکا باعث یہ نہین ہوتا کہ اس وقت آن مین زندہ دلی کا زیادہ جوش ہوتا ہی، بلکہ صرف یہ کہ اس طرح انکی توجہ دوسری طرف مایل رہیگی، اور اسلیے اُنھین خوف نہ معلوم ہوگا ۔

(۸) یایوسی۔ خوف کی جتنی صورتین ہین، ان سب کا دار و مدار کسی نہ کسی امید پر ہوتا ہے۔ مثلاً جس شخص کو اپنے زندہ رہنے کی کچھ بھی امید ہے، وہ موت سے خوف کریگا، لیکن جب ہر طرحکی توقع اٹھ جاتی ہو، اور انسان پر یاس کامل چھا جاتی ہو، تو اُسے کسی بات کا خوف نہین رہتا۔ خودکشی کرنے والے جو اس جرأت کے ساتھ اپنی جان دے بیٹھتے ہین، اُسکا اصل باعث یہی ہے، کہ جو شی اُنھین سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہو، اسکے حصول سے انھین قطعاً ناامیدی ہوجاتی ہو، اور اس لیے اُنھین موت کا خوف نہین رہتا۔

محرکات بالا سے مراد یہ تھی، کہ ان سے اضطراراً جذبۂ خوف کی تکوین ہوتی ہے۔ لیکن ان کے علاوہ چند چیزین ایسی بھی ہین، جنکی مخالفت و مزاحمت کا تصور افعال ارادی کے ارتکاب کے وقت ہمارے لیے خوف انگیز ہوتا ہے، اس لیے ہم انھین بھی، اس معنی مین محرکات خوف کہہ سکتے ہین۔ یہ وہ چیزین ہین، جو دنیا مین مسلم طاقتین رکھتی ہین، اور جب افراد ان کے خلاف کوئی راستہ اختیار کرنا چاہتے ہین، تو انھین عموماً یقین رہتا ہو، کہ ان طاقتون سے انھین سخت سزا ملیگی، اور یہی تصور تعزیر، جذبۂ خوف پیدا کرتا ہو۔ یہ طاقتین عموماً تین طرحکی ہوتی ہین۔

(۱) طاقت مذہب کی، یعنی شریعت۔

(۲) طاقت حکومت کی، یعنی قانون۔

(۳) طاقت ہیئت اجتماعیہ کی، یعنی رسم و رواج -

یہی سبب ہی کہ شریعت، قانون، یا رواج کی مخالفت کرنا بزدل شخص کا کام نہین - یون توانین سے ہر طاقت بجاے خود قوی ہی، لیکن جو طاقت نسبتاً سب سے زیادہ زبردست ہی، وہ سوسائٹی کی ہی - بہت سے اُمور ایسے ہین، جو گو شرعاً و قانوناً ناجائز ہین، لیکن اگر ہیئت اجتماعیہ نے انکے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے، تو انکا ارتکاب لوگ علانیہ کرتے ہین - حکومت کی مخالفت کو بعض لوگ، بہت سخت مخالفت سمجھتے ہین، لیکن جب حکومت کی طاقت ہیئت اجتماعیہ کی طاقت سے آکر ٹکرا جاتی ہی، یعنی کوئی امر ایسا پیش آجاتا ہی، جو گو قانون کے مخالف ہی، لیکن سوسائٹی اسکی تائید و حمایت پر کمربستہ ہی، تو لوگ حکومت کے خلاف بغاوت تک کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہین، لیکن سوسائٹی مین غیر مقبول ہونے کی تاب نہین لا سکتے -

ان معلومات کا تعلق براہ راست صرف اُن اصناف خوف سے تھا جنکی تکوین افراد مین عموماً صحت نفسی کی حالت مین ہوتی رہتی ہی - لیکن بعض افراد کی حالت خوف، عام طریقۂ خوف زدگی سے مختلف ہوتی ہی، اور یہ نتیجہ ہی حیات نفسی مین اختلال کا، جسکا ایک شعبہ اختلال جذبات بھی ہی - جذبۂ خوف کے اختلال کی تین صورتین ہین :- ایک یہ کہ خوف اور اسکے محرک کے درمیان تناسب نہ قایم رہے - دوسرے یہ کہ خوف کا اثر غیر معمولی مدت تک قائم رہے -

تیسرے یہ کہ خوف کے متلازم آثار غیر معمولی شدت و قوت کے ساتھ ظاہر ہون،
بعض لوگ ریل سے ڈرتے ہین، بعض ابر باران کے نظارہ سے
خوف کھاتے ہین، بعض بلی کی صورت سے سہم جاتے ہین، بعض کتے کی آواز
سے لرزتے ہین، اور پھر بعض کشادہ میدانون مین نکلتے ہوے کانپتے ہین۔ اس قسم
کے تمام خوف اسی قبیل سے ہین، اور جذبہ خوف کے اختلال سے تعبیر کیے جا سکتے ہین
ان کے اسباب پروفیسر ریبو کے استقصا مین حسب ذیل ہین:۔

(۱) کسی گذشتہ خوفناک واقعہ کی یاد۔

ریل سے ڈرنے والے عموماً وہی لوگ ہوتے ہین، جو کسی وقت تصادم
ٹرین کا دہشتناک تجربہ اٹھا چکے ہین۔ میری ایک عزیزہ پر بچپن مین شدت بارش
سے مکان گر پڑا تھا۔ بس اُس دن سے اُن کے دل مین بارش، برق و رعد کا
ہول سما گیا، اور تمام عمر ان چیزون سے ڈرتی رہین۔

(۲) کسی فراموش شدہ خوفناک واقعہ کا غیر شعوری اثر۔

اکثر ایسا ہوتا ہی، کہ انسان بچپن مین کسی بے ضرر شی سے اتفاقیہ ڈر گیا،
اور سن شعور پر پہونچکر وہ واقعہ اگرچہ حافظہ سے اُتر گیا، تاہم اس سے خوف و دہشت
کا جو جذبہ پیدا ہوا تھا، وہ بدستور قائم رہا، اور انسان کے سامنے جب کبھی وہ شی
آتی ہی، اسکے جذبہ خوف کی پھر تکوین ہو جاتی ہی۔ میری ایک عزیزہ مکڑی سے
بے انتہا خوف کھاتی ہین، اور اس خوف کی کوئی وجہ نہین بیان کر سکتین۔ مین

سمجھتا ہون کہ اسکا باعث یہی ہوگا۔

(۳) عام استعداد خوف زدگی کا کسی شے سے اتفاقی طور پر وابستہ ہو جانا محرکات خوف جو اوپر بیان ہو چکے، ان کی بنا پر بعض لوگون مین جبلّۃً خوف زدگی کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس عام کیفیت کو وہ کبھی اتفاقی طور پر کسی خاص شے سے وابستہ کر لیتے ہین، اور اس سے خصوصیت کے ساتھ ڈرتے رہتے ہین۔

یہ اسباب اگرچہ ایک بڑی حد تک کافی ہین، تاہم مسئلہ زیر بحث کی ہر صورت کا حل اس سے نہین ہوتا، اور اختلال خوف کی بعض صورتین ایسی ہین، جن پر ان اسباب مین سے کوئی بھی منطبق نہین ہوتا۔ لیکن افسوس ہے کہ نفسیات کے موجودہ معلومات اس پر مزید روشنی ڈالنے سے قاصر ہین[1]۔

---

[1] نوٹ۔ رسالہ ہذا کے بعض اجزا پریس مین جا چکے تھے، کہ اتفاقاً ایک روز میرے گھر کے اندر ایک ایسا واقعہ پیش آگیا، جس سے نفسیات خوف پر کافی روشنی پڑتی ہے، اور اسلیئے ہم اُسے یہان کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہین۔ نقل واقعہ سے قبل ذہن نشین کر لینا چاہیے، کہ اس واقعہ کے وقوع کے وقت ہم لوگ لکھنؤ مین تھے، مگر میرے ایک بھائی (ی۔ ز) لکھنؤ سے بہت دور ایک ایسے شہر مین تھے، جہان طاعون کا زور تھا، اور وہان سے روز اسی بیماری کے متعلق دہشتناک خبرین آیا کرتی تھین۔ ان بھائی کا سارا خاندان میرے ساتھ لکھنؤ مین تھا، جو فطری طور پر ہر وقت ان کی صحت و خیریت کی بابت متفکر رہتا تھا، ذیل کا

واقعہ مجھ سے (ی۔ ز) کی بہن (ش) نے بیان کیا، جسے مین تقریباً انھین کے الفاظ مین درج کرتا ہون :۔

"کل رات کو مین بڑے ہال مین بیٹھی ہوی تھی، کوئی دس بج چکے تھے۔ بھابی جان (یعنی ی۔ز کی بیوی) اور (ص) اور (ف) (یعنی ی۔ز کی لڑکیان) میرے پاس بیٹھی ہوئی تھین۔ کھانا کھاکر ہم لوگ اِدھر اُدھر کی باتین کررہے تھے، کہ اتنے مین تار کے چپراسی نے اندر والے برآمدہ مین پکارا "تار لیجاؤ"۔ (ی۔ز) بھائی کیطرف تو آج کل ہر وقت ہم لوگون کا جی لگا ہی رہتا ہی، فوراً کلیجہ دھک سے ہوگیا، کہ ایسے ناوقت کہین اُنھین کا تار تو نہین آیا۔ جی مین طرح طرح کے بُرے منصوبے آنے لگے۔ اتنے مین (ص) (ی۔ز کی ایک بہت سمجھدار نوجوان لڑکی) نے کہا، کہ تار والا کہتا ہی "م۔ا (ی۔ز کے مختار و کارندہ) کا تار آیا ہے، لیجاؤ"۔ یہ سُنتے ہی ہم لوگون کے ہوش اُڑگئے، یہ یقین ہوگیا، کہ ی۔ز بھائی کے متعلق ضرور کوئی بُری خبر ہی، تب ہی تو ان کے مختار کو تار دینا پڑا ہی۔ بھابی جان کے آنسو بے اختیار نکلنا شروع ہوگئے، لڑکیان گھبراکر یا اللہ خیر، یا اللہ خیر کہنے لگین، خود مین نے چاہا، کہ تار پڑھنے کے لیے تمکو جاکر جگاؤن، اور اس ارادہ سے باربار اُٹھنا چاہا، لیکن کیا کہون کہ کسی طرح نہ اُٹھا گیا،

بس بھیا یہ معلوم ہوتا تھا، کہ کسی نے پیر پکڑ لیے ہین، ادھر ہم لوگ اپنی
گھبراہٹ و پریشانی مین مبتلا تھے، اُدھر تار والا آواز پر آواز دے رہا
تھا، مگر ہم لوگون سے اس بدحواسی مین اتنا نہین بن پڑتا تھا، کہ
کسی خادمہ کو پکارین، جو تار تو لائے۔ آخر کئی منٹ کے بعد (ف)
(ایک شانزدہ سالہ لڑکی) کو اتنا ہوش آیا، کہ اُسنے دوڑ کر خادمہ کو پکارا
وہ جا کر تار لائی۔ اب (ص) نے جو ہاتھ مین لیکر پڑھا، تو معلوم
ہوا کہ کسی غیر شخص کے نام ہی، تار والا یہان غلطی سے لے آیا ہی۔
تب جا کر ہم لوگون کے ہوش و حواس درست ہوے۔ اللہ کا
لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ مین نے خادمہ سے کہا کہ ذرا باہر کے آدمیون
پر ڈانٹ ڈپٹ کرے، کہ تار والا زنانی ڈیوڑھی کے اندر کیسے
گھس آیا"۔

اس واقعہ سے کلیات ذیل مستنبط ہوتے ہین:۔

(۱) جب کسی دہشتناک چیز کا تصوُّر پہلے سے ذہن مین موجود ہوتا ہی تو انسان
نہایت ہی بے ضرر و غیر متعلق اشیا کو بھی خوف کے رنگ مین محسوس کرتا ہی
[(ص) ایک سمجھدار و ذہین لڑکی تھی، مگر اُس نے بھی محض "دو تار لیجاؤ"
کی آواز کو یون سُنا کہ "م۔ ا کا تار آیا ہے، لیجاو"]

(۲) شدت اضطراب و تردد مین قواے عمل شل ہو جاتے ہین، اور انسان سے

حرکات اضطراری صادر ہونے لگتے ہین۔ [(نش) کا باوجود بہم سعی و ارادہ کے اُٹھنے پر قادر نہ ہوسکنا۔]

(۳) عام رسم و رواج کے قیود فطری جذبۂ خوف کے سامنے مغلوب ہوجاتے ہین (پردہ کی سخت پابندی کا اقتضا یہ تھا، کہ ناروا سے کی بلا تامل سخت دار و گیر کی جاتی، لیکن اشتداد خوف مین کسی کو اسکا خیال تک نہین ہوا)

(۴) بااینہمہ یہ قیود بالکل فنا نہین ہوجاتے۔ (چنانچہ اس اضطراب کے عالم مین بھی کسی سے یہ نہوا، کہ دوڑ کر خود تار لیلے، بلکہ خادمہ کے آنے کا انتظار ہوتا رہا)

جس طرح نفس انسانی مین قوت دفاع کا مظہر جذبہ خوف ہی، اسی طرح قوت اقدام کا مظہر جذبہ غضب ہی۔ بقاے حیات کے لیے صرف اتنا ہی ضروری نہین، کہ مخالف و مہلک اشیا سے انسان اپنی مدافعت کرے، بلکہ یہ بھی ہے، کہ وہ خود سبقت کر کے ان کو فنا کرنے اور شکست دینے کی کوشش کرے اور جس جذبہ کی صورت مین اس قوت کا اظہار ہوتا ہی، اسی کا نام غصہ یا غضب ہے۔ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے، خوف کے بعد اسی جذبہ کا نمبر ہی۔ چنانچہ بہ قول پیرز کے اسکا ظہور بچہ مین دو ماہ کے بعد ہوتا ہے، اور بہ قول ڈارون کے دس ماہ کے بعد، لیکن اس آخر الذکر قول کی غلطی ہر شخص پر ظاہر ہے۔

اس جذبہ کے آثار حسب ذیل ہین :-

(۱) نظام دموی مین اختلال۔

عام شرائین کے مُنہ پھیل جاتے ہین، اور جلد کی شرائین مین رفتار خون بہت تیز ہو جاتی ہی، جسکے باعث جلد سُرخ ہو کر کسی قدر اُبھر آتی ہے۔ بڑی بڑی وریدین، خصوصاً سر و چہرہ کی وریدین بہت پھول جاتی ہین، جس سے چہرہ سُرخ ہو جاتا ہی۔ شدت غضب مین کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ ناک یا سینہ مین بعض خون کی نالیان پھٹ جاتی ہین، اور اس صدمہ سے انسان آخرکار مر جاتا ہے۔ مثل بخار کے، حالت غضب مین جسم مین گرمی محسوس ہونے لگتی ہے۔

(۲) افعال غدودی مین اختلال۔

غدود لعابی کی فعلیت بہت تیز ہو جاتی ہی، مُنہ مین کف بھر آتا ہے، جسم کی تقریباً تمام رطوبات مین سمیت آجاتی ہے، چنانچہ بارہا مشاہدہ کیا گیا ہی، کہ ایام رضاعت مین، فرط غضب سے مان اور انّا کا دودھ سم آلود ہو گیا ہے، اور بچہ اسکے پینے سے ہلاک ہو گیا ہے۔ اسی طرح غصہ کی حالت مین اگر کوئی شخص کسی کے کاٹ کھائے، تو اُس مین زہر سرایت کرتا ہوا پایا گیا ہے۔

(۳) نظام آلی مین اختلال۔

اعصاب ارادی کی قوت تیز ہو جاتی ہے، لیکن ربط و نظم کی قابلیت نہین رہتی، اسی لیے غضبناک شخص کے افعال غیر مرتبط و غیر منتظم ہوتے ہین، آواز بھاری اور غیر مسلسل ہو جاتی ہی، مُنہ سے الفاظ پورے نہین نکلتے، سانس اوپر ہی اوپر آتی جاتی معلوم ہوتی ہے، منخرین پھول جانے کے ساتھ پھڑکنے لگتے ہین،

ہونٹ کانپنے لگتے ہین، جسم تن جاتا ہے، پیشانی پر بل پڑجاتے ہین، بالائی لب کھنچکر اوپر کی طرف سکڑجاتا ہی، جس سے اوپری دانت جڑون تک دکھائی دینے لگتے ہین، آنکھون مین غیر معمولی چمک آجاتی ہے، یہ معلوم ہوتا ہی کہ آنکھون سے شعلے نکل رہے ہین، آدمی مٹھیان کس لیتا ہے، دانت پیستا ہے، ہونٹ چباتا ہی، سر اور مُنھ پیٹتا ہے، بال نوچتا ہے، اور ناخن دانت سے کاٹنے لگتا ہے۔

شدت غضب مین، جسے طیش کہتے ہین، انسان جلد جلد ٹہلنے لگتا ہے، اور سارے جسم مین رعشہ پڑجاتا ہے۔

بہ خلاف جذبۂ خوف کے، جسے ہم قطعی طور پر ایک ناخوشگوار احساس کے تابع رکھ سکتے ہین، جذبۂ غضب کے متعلق یہ امر سخت مختلف فیہ ہی، کہ اسے حظ یا الم، دونون مین سے کس کے ماتحت رکھنا چاہیے؟ یہ ظاہر ہی کہ کوئی شخص خواہ مخواہ اپنے اوپر غصہ کی حالت دیر تک طاری رکھنا نہین چاہتا، اور یہ اِس امر کی واضح دلیل ہی کہ یہ جذبہ ناخوشگوار ہوتا ہے، تاہم اس سے بھی انکار نہین ہوسکتا، کہ غصہ کے وقت اپنے مخالف یا دشمن کو نقصان پہنچانے مین ایک طرح کی لذت بھی محسوس ہوتی ہے، جو بداہتہً اسکے خوشگوار ہونے کی دلیل ہی اس بدیہی تناقض احساسی کی بنا پر علما نفسیات کے دو گروہ ہوگئے ہین۔ ایک کے نزدیک غصہ نام ہے ایک نشاط انگیز وجدانی کیفیت کا، اور دوسرے کی رائے مین ایک الم آفرین کیفیت کا۔ لیکن ہمارے نزدیک قرین صحت

اُن نفسیین کا قول ہے جنھون نے درمیانی مسلک اختیار کیا ہے۔ اس جماعت کے نزدیک غصہ کے دو مختلف مدارج ہین۔ ابتدائی درجہ یا منزل وہ ہی جس مین ایک حیوان جبلتہً دوسرے حیوان پر حملہ کرتا ہے، مثلاً کتے کا حملہ بلی پر، بلی کا حملہ چوہے پر وغیرہ۔ ایسے مواقع پر حملہ آور جانور مین اگرچہ غصہ کے آثار جسمانی تقریباً سب موجود ہوتے ہین، تاہم اس پر "غصہ" کا اطلاق مشکل ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ان حملون کی محرک صرف جبلت ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ، اس طرح کی غصہ نما کیفیات تقریباً حیوانات تک محدود ہین (زیادہ سے زیادہ بچون کی بعض غصہ نما کیفیات کو ان کے تحت مین رکھ سکتے ہین) اس کا نام غضب حیوانی مناسب ہوگا۔ دوسرا درجہ اُن کیفیات کا ہی جن مین ہمکو کسی شی سے نقصان پہنچا ہے، یا نقصان پہونچنے کا احتمال ہے، اور تصور انتقام سے جو جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسکی بنا پر ہم اُس شے پر حملہ کرتے ہین۔ درحقیقت یہی صورتین ایسی ہی، جو جذبہ غضب کی تعریف بالا کی صحیح مصداق ہی۔ اس کیفیت کی تحلیل کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ایسے موقع پر انسان کو انتقام گیری مین ایک خاص طرح کی لذت محسوس ہوتی ہی، اور وہ دل سے چاہتا ہے، کہ اسکا ہدف انتقام ابھی کچھ دیر اور اپنی شکست و مغلوبیت محسوس کرتا رہے۔ اس بنا پر غضبناک شخص کو اگرچہ براہ راست اپنے غصہ مین کوئی لذت نہین محسوس ہوتی، تاہم چونکہ اسکے حریف کی اذیت و تکلیف اسکے اظہار غضب پر منحصر و مشروط ہوتی ہی، اسلیے وہ اپنے غصہ کو تا دیر قائم رکھنا چاہتا ہے، اور اس

لحاظ سے یہ کہنا درست ہی کہ اُسے جذبہ غضب مین لذت محسوس ہوتی ہے پس غصہ
ایک مخلوط جذبہ ہے جس مین حظ والم دونون کے عناصر شامل ہین۔

غضب کی دقیق ترین صورت جسے بجاے مطلق جذبہ کے جذبہ عقلی کہنا
زیادہ موزون ہی وہ ہی جس مین اسکے آثار جسمانی تقریبًا بالکل حذف ہوکر صرف
اسکی ایک خیالی ہستی رہ جاتی ہی۔ ایسی صورت مین انسان اپنے حریف پر حملہ نہین کرتا
بلکہ صرف اپنے ذہن مین اسکی تکلیف ونقصان کی خواہش کرتا رہتا ہی، انتقام کے
تصور سے مزے لیا کرتا ہے، اور جسوقت اسے کوئی نقصان پہنچ جاتا ہی، تو بہت خوش
ہوتا ہے اور اسی طرح جب اُسے نفع وراحت حاصل ہوتی ہی، تو یہ اپنے دل مین بہت
کڑھتا ہی۔ غضب کی یہ صورت صحت کے لیے نہایت مضر ہوتی ہی، اور اس سے
انسان روز بروز گھلتا جاتا ہے۔ اس کیفیت کے مختلف اصناف مین فرق مراتب
ہوتا ہے، یعنی بعض مین غضب کا شائبہ زیادہ ہوتا ہی، بعض مین کم، اور پھر بعض
مین کمتر، مثلاً حسد، رشک، رقابت، وغیرہ۔

نفسی حیثیت سے غم اور غضب کی ممیز فاعل کی غیریت ہوتی ہی، یعنی اگر
ہماری ذات کے لیے نقصان رسان کوئی فعل خود ہم سے سرزد ہوجاتا ہے، تو ہم
غم والم سے متاذی ہوتے ہین۔ لیکن اگر اسی فعل کا فاعل کوئی دوسرا شخص ہوتا ہی تو
ہمین اُسپر غصہ آجاتا ہی۔ ہماری ایک بیش قیمت گھڑی اگر خود ہم سے ضایع ہوجاتی ہی،
تو ہم روتے ہین ہاتھ ملتے ہین، افسوس کرتے ہین لیکن اگر وہی گھڑی ہمارا ملازم

چُرائے، تو ہم اُسے ڈانٹتے ہین گالیان دیتے ہین، اور مارتے پیٹتے ہین صحت نفس
و حسن شعور مین ہمین اشخاص پر جو غصہ آتا ہے، اسکی بنیاد ہمیشہ اس خیال پر ہوتی ہی،
کہ ہمین تکلیف یا نقصان عمداً پہونچایا گیا ہے، اسی لیے ہم مین جوش انتقام پیدا ہوتا
ہے، اور ہم اپنے نقصان پہنچانے والے کو سزا دینا چاہتے ہین۔ یہ کیفیت ہمارے
نفس مین ایسی گہری ہوتی ہے، کہ بعض اوقات غصہ مین ہم بیجان چیزون کو بھی
ارادی ایذا رسانی کا مرتکب سمجھنے لگتے ہین، اور انھین سزا دینا چاہتے ہین۔ راستہ
مین ایک پتھر پڑا ہے، اسکی ٹھوکر لگتی ہے، اور جی مین آتا ہی کہ اس پتھر کو ریزہ ریزہ
کر ڈالین۔ قلم دوات مین بار بار ڈالتے ہین، مگر روشنائی پورے طور پر نہین آتی،
آخر ہم جھلا کر قلم پھینک دیتے ہین، اور یہی چاہتے ہین، کہ اسے توڑ ڈالین۔ غصہ کا
یہ پہلو، غیر تربیت یافتہ نفوس کی زندگی کا ایک نمایان جزو ہوتا ہی، جو تربیت و شایستگی
مین اضافہ کے ساتھ ماند پڑتا جاتا ہے۔ اسی واسطے بچون، عورتون، اور جاہل مردون
کو دیکھا ہوگا، کہ وہ بیجان چیزون کی طرف ارادی ایذا رسانی کو خصوصیت کے ساتھ
منسوب کرتے رہتے ہین، اور اُن سے انتقام لینے کے لیے ویسے ہی تیار رہتے
ہین، جیسا کسی صاحب شعور و ارادہ سے لینا چاہیے۔

طیش کی حالت مین چونکہ قواے عقلی بالکل کند ہو جاتے ہین، اور انسان
انتقام گیری کے جوش مین بالکل بیخود ہو جاتا ہے، اسوقت اُسے اسکا بالکل لحاظ
نہین رہتا، کہ انتقام کس سے اور کس حد تک لینا چاہیے۔ اس وقت جوشے

اسکے سامنے آجاتی ہی، یا جس شی پر اسکا بس چلتا ہے، وہ بے اختیار حملہ کر بیٹھتا ہی، اور انجام کار پر مطلق نظر نہین رکھتا۔ تم نے تاریخ مین پڑھا ہوگا، کہ فلان بادشاہ نے کسی معمولی بات پر غضبناک ہوکر سارے شہر کے قتل عام کا حکم دیدیا، یا کسی بلوائی جماعت نے (مثلاً انقلاب فرانس والی جماعت نے) کسی خاص موقع پر جوش مین آکر بلا امتیاز عمر و جنس، قوم و مذہب، ہر شخص کو جس پر انکی نظر پڑگئی تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس طرح کے بیانات گو بظاہر مبالغہ آمیز معلوم ہون، لیکن جذبۂ غضب کا ماہیت شناس جانتا ہے، کہ جوش انتقام گیری جب اپنی حدود سے متجاوز ہوجاتا ہے، تو عقل و انصاف کے قیود سے یکسر آزاد ہوجاتا ہے، اور شخص مغضوب علیہ کی تعیین بالکل نہین رہ جاتی[1]۔ کسی جذبہ کا حد سے زیادہ تیز و قوی

---

[1] ۵ جولائی ۱۹۱۲ء مین، جبکہ اٹلی اور ٹرکی سے طرابلس کے معاملہ مین خوب زور و شور سے جنگ ہو رہی تھی، اور اٹلی کی طرف سے مسلمانان عالم مین تنفر کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا، چنانچہ متعدد مقامات مین باشندگان اٹلی و مقیم ہندوستان سے ہر طرح کی ترک معاملت کا علانیہ عہد کرلیا گیا تھا، کلکتہ مین ایک روز مندرجۂ ذیل واقعہ پیش آیا، جو ۲۵ جولائی کے روزانہ انگریزی اخبارات کی تاربرقیون کے کالم مین شایع ہوا:۔

"کل شام کو ایک بالکل بلا وجہ اور بزدلانہ حملہ، تقریباً دو سو مسلمان بدمعاشون نے ولنگٹن اسکوائر مین تین مسیحی واعظون پر کیا۔ معلوم یہ ہوا ہے، کہ تین مسیحی واعظ مسلمانون کے ایک مجمع کے سامنے اُردو مین وعظ کہہ رہے تھے، کہ ایک مولوی دفعتہً نمودار ہوا، اور چلا کر کہا،

"اٹلی والون کے ان ہم مذہبون کو مارو' جو ہمارے وطن اصلی' ٹرکی کے جانی دشمن ہین" اس نعرہ نے سارے مجمع کو ایک مجنونانہ جوش کے ساتھ برانگیختہ کردیا۔ وغطین قبل اسکے کہ اپنی حالت کو سمجھ سکین اُن پر لاٹھیون چھتریون' اور جو چیزین ہاتھ سے پھینکی جا سکتی تھین' اُن سے حملے ہونے لگے۔ تین کانسٹبل جو قریب ہی تھے' آگے بڑھے' لیکن یہ خود مارے گئے۔ وغطین نے بجائے مقابلہ کے' حملہ آورون کو سمجھانے کی ناکام کوشش کی۔ انھون نے مجمع سے مخاطب ہوکر دریافت کیا' کہ ہم نے ذاتی طور پر کس مسلمان کو نقصان پہونچایا ہے؟ لیکن وہ جون جون اس سوال کی تکرار کرتے تھے' مجمع کا جوش غضب اور بڑھتا جاتا تھا"

ایک عالم نفسیات اس سے امور ذیل کا استنباط کریگا:-

(۱) جب طبیعت مین کسی شی کی جانب سے' پیشتر سے مخالفت وعداوت کا مادہ موجود ہوتا ہے' تو معمولی سے معمولی اشارہ پر یہ آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ (مسلمان عوام مسیحی داعظین کا وعظ ہر زمانے مین سُنا کرتے تھے' لیکن اس زمانہ مین چونکہ عام عیسائیون کی طرف سے ان کے دل مین نفرت وبغض کا جذبہ موج زن تھا' ایک نہایت ہلکے محرک نے اُن کو قابو سے باہر کردیا)

(۲) کسی جذبہ کی اشتداد کی حالت مین مغلوب الجذبہ شخص کو سمجھانا اور اسکی عقل و فہم کو مخاطب کرنا قطعاً بیکار رجاتا ہے' بلکہ اثر مخالف پیدا کرتا ہے (جیسا کہ واقعۂ مندرجۂ بالا مین پیش آیا)۔

ہو جانا درحقیقت نام ہے ایک عارضی جنون کا، اور جنون کا ایک خاصۂ امتیازی یہ ہے، کہ انسان ایک ہی خیال، ایک ہی پیش نظر تصور پر بلا لحاظ اختلاف مواقع و حالات عمل کرتا رہتا ہے۔ اسی قبیل سے انسان کی یہ حرکات بھی ہین کہ شدت طیش مین جب اپنے دل کا بخار نکالنے کے لیے کوئی اور شخص نہین ملتا، تو انسان خود اپنی چیزین توڑنے پھوڑنے لگتا ہے، اپنے سر و سینہ پر طمانچہ لگانے لگتا ہے، میز پر ہاتھ دے مارتا ہے؛ غرض جن حرکات کا منشا دوسرون کو نقصان و تکلیف پہونچانا ہوتا ہے، انکا مورد خود اپنے جسم و مال کو بنا لیتا ہے۔

محرکات غضب کے عنوانات مہمہ حسب ذیل ہین:-

(۱) ہم سے متعلق ہر وہ شے جس پر ہم "اپنی" کا اطلاق کر سکتے ہین، (مثلاً اپنا جسم، اپنا مال، اپنی اولاد، اپنا خاندان، اپنا ملک، اپنا مذہب) اس کو کسی حیثیت سے نقصان پہونچنا۔

اسمین شبہ نہین، کہ مختلف افراد کے لیے یہ مختلف محرکات، تفاوت اہمیت رکھتے ہین، مثلاً کسی کو جسمانی تکلیف پہونچنے سے سخت غصہ آتا ہے، کسی کو اپنی توہین پر سخت اشتعال ہوتا ہے، کوئی اپنے مذہب پر حملہ ہوتا ہوا دیکھکر سخت برافروختہ ہوتا ہے، لیکن نسبتاً ان سب سے عام محرک جسمانی نقصان ہے۔

(۲) انسان کی فطری قوتون مین سے کسی کے اظہار مین رکاوٹ تحریک غضب کے لیے کچھ یہ ضرور نہین، کہ انسان کو براہ راست کسی طرح کا نقصان

پہنچا ہو، بلکہ اسکی ایک صورت یہ بھی ہے، کہ اسکے افکار، خواہشات، ارادون، غرض کسی قسم کی قوت کے اظہار سے اُسے روکا جائے۔ دو شخصون مین ہاتھا پائی ہو رہی ہو، اور کوئی تیسرا آدمی صلح کرانے بیچ مین آجاتا ہے، تو دیکھا ہوگا، کہ اکثر وہ بھی پٹ جاتا ہے۔ جسکی وجہ یہ ہے، کہ جنگجو فریقین کو ان کے اظہار غضب سے رکنا بجائے خود ان کے اشتعال کا باعث ہوتا ہے۔

جذبہ غضب کے اختلال کی دو صورتین ہین۔ ایک، جذبہ اور مہیج کے درمیان عدم تناسب یعنی معمولی واقعہ پر نہایت شدید غصہ آجانا، دوسرے جذبہ غضب کا غیر معمولی مدت تک قائم رہنا، جو گویا اس مرض کا مزمن ہوجانا ہے۔ یہ دونون شکلین اصناف جنون مین سے ہین۔ چنانچہ مانیا کے مریض مستمر طور پر ایک جوش وخروش، اشتعال، و برافروختگی کی حالت مین رہا کرتے ہین، اور بغیر غصہ پیدا کرنے والے خارجی اسباب کے، بلاوجہ ہمیشہ اپنا غصہ گرد وپیش کے اشیا، واشخاص پر اُتارا کرتے ہین، تھوکنا، کوسنا، گالیان دینا، وغیرہ یہہ عادات رفتہ رفتہ جڑ پکڑکر انکی فطرت مین داخل ہوجاتی ہین۔ پھر چونکہ غصہ مقدمہ ہے ہلاکت کا، اس لیے جنون غضب کے مریض مین خواہش اہلاک بہت بڑھ جاتی ہے، اور وہ جہان موقع پاتا ہے، حیوانات بلکہ انسان کے قتل تک سے دریغ نہین کرتا۔

اس مرض کے اسباب زیادہ تر تو داخلی ہوتے ہین، یعنی دماغ کے بعض حصون مین کوئی نقص پیدا ہوجانے سے یہ اختلال جذبی واقع ہوجاتا ہے جسکی تفصیل کتب

طب مین ملیگی، لیکن کبھی کبھی اسکا سبب خالص نفسی ہوتا ہے، یعنی بغیر کسی ظاہری مرض کے نفس مین از خود تدریجی طور پر مادۂ اہلاک بڑھتا جاتا ہے، تاآنکہ انسان ایک قسی القلب قاتل ہوجاتا ہے۔ اس صورت مین، اس منزل تک پہونچنے کے زینے اسقدر تدریجی ہوتے ہین، کہ انسان اُنھین غیر شعوری طور پر طے کرتا جاتا ہے، اور بظاہر اُس مین کوئی خاص انقلاب کسی وقت نظر نہین آتا۔ مثلاً اس جنون ہلاکت کے مراحل، نفسی حیثیت سے، حسب ذیل ہونگے:۔ سب سے پہلا زینہ یہ ہے، کہ آدمی کو قتل و غارت کے اخبار اور خونریزی و ہلاکت کی داستانون کے سُننے اور پڑھنے مین ایک لطف محسوس ہونے لگتا ہے (جو ایک محض تخیئلی مشغلہ ہے)۔ اسکے بعد اسی قسم کے تماشون، اور ٹریجڈی[1] ناٹکون کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ (اب تقاضائے نفس کی سیری محض متخیلہ سے نہین ہوتی بلکہ مدرکہ کی اعانت بھی ضروری ہوتی ہے)۔ پھر حیوانات کی جنگ اور خونریزی، بٹیر بازی، مُرغ بازی، وغیرہ کی سیر کی ہوس پیدا ہوتی ہے (اب نفس محض مفروضات و خیال آرائیون سے آسودہ نہین ہوتا، بلکہ خونریزی مین واقعیت کی جھلک دیکھنا چاہتا ہے) پھر قتل انسانی کے مشاہدہ (مثلاً کسی کو پھانسی پاتے ہوئے دیکھنے) سے حظ حاصل ہونے لگتا ہے۔ اسکے بعد خود نفس مین قتل

---

[1] وہ ناٹک جن کا اختتام حسرت و غم پر ہوتا ہے، اور اسلیے جن کے پلاٹ مین قتل و بربادی کے واقعات کی آمیزش لازمی طور پر کرنا ہوتی ہے، ٹریجڈی کہلاتے ہین۔

واہلاک کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور آخرکار اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل کرنے مین لطف آنے لگتا ہے، جس سے وہی انسان، جو کچھ عرصہ پیشتر صرف اخبارات مین جنگ و قتل کے تار پڑھنے کے ظاہرا بے ضرر مشغلہ مین خاص دلچسپی رکھتا تھا، ایک مشاق و بیدرد قاتل بن جاتا ہے۔ اور اس ڈراما کا ڈراپ سین پھانسی گھر کے تختہ پر یا پاگل خانہ کی کوٹھری کے اندر ہوتا ہے۔

باب (۱۰)

اُلفت و ہمدردی

ارتقاء جذبات اساسی مین چوتھے نمبر پر الفت یا ہمدردی ہی جب ایک شخص کسی دوسرے کو کسی خاص کیفیت جذبی مین پاکر اپنے تئین اس کیفیت مین رکھنا یا اس کیفیت کے اندر آنا چاہتا ہے، تو نفسیات کی اصطلاح مین یہ کہا جاتا ہی کہ اول الذکر کو آخر الذکر سے اُلفت یا ہمدردی ہی - اس جذبہ کے دو مختلف مدارج ہوتے ہین:-

(۱) جسمانی - اور (۲) نفسی -

پہلا درجہ، جو جسمانی ہمدردی کہلاتا ہے، شعور و ارادہ سے خالی ہوتا ہے، اور اسلیے حیات شاعرہ و غیر شاعرہ مین مشترک ہی - زیادہ صحیح طور پر اس درجہ کو بجائے جذبہ ہمدردی کا ایک درجہ قرار دینے کے اسکا مقدمہ کہنا مناسب ہی دوسرون کو انگڑائی لیتے دیکھکر ہم بھی انگڑائی لینے لگتے ہین؛ دوسرون کو روتا دیکھکر ہمارے بھی آنسو نکلنے لگتے ہین؛ دوسرون کو کھانستے دیکھکر ہمین بھی کھانسی آنے لگتی ہی؛

ایک مرغ بانگ دیتا ہے، اسکی آواز سُن کر دوسرا مُرغ بھی بانگ دینے لگتا ہے؛ ایک کتا بھونکتا ہے، اسی کے ساتھ دوسرے کتے بھی بھونکنے لگتے ہین، گلہ مین سے ایک جانور بھاگتا ہے، اُسے دیکھکر دوسرے جانور بھی بھاگنے لگتے ہین؛ محلہ مین دو شخص "چور، چور" پکار کر دوڑتے ہین، اسی کے ساتھ سارا محلہ بھی شور کرتا ہوا دوڑنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ تمام واقعات اسی جسمانی ہمدردی، یا مقدمۂ ہمدردی کے مظاہر ہین۔ اس درجہ مین انسان وحیوان، بلا وساطت ارادہ وشعور اپنے جسم پر اضطرارًا وہ حالات طاری کرنے لگتے ہین، جو دوسرون پر طاری پاتے ہین۔

ہمدردی کا دوسرا درجہ صحیح معنی مین، ایک کیفیت نفسی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس منزل مین ہم دوسرون کے آثار جسمی ہی کی تقلید ومحاکات پر اکتفا نہین کرتے، بلکہ جس جذبہ سے وہ متاثر ہوے ہین، بعینہ وہی جذبہ ہم اپنے نفس مین بھی پیدا کرنا چاہتے ہین۔ دوسرون کو غمگین پاکر جب ہم محض اپنی صورت ہی نہین اُداس بنا لیتے، بلکہ ساتھ ہی غم کی ایک باطنی کیفیت سے بھی متحس ہوتے ہین، تو کہا جاتا ہے کہ ہم اُن سے ہمدردی کر رہے ہین۔ شاعر کہتا ہے؛ ع

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

لیکن کچھ افسردگی کی تخصیص نہین، بلکہ خوف، غضب، حزن، یاس، مسرت، زندہ دلی، وغیرہ تمام جذبات متعدی ہین۔ یعنی ایک سے دوسرے مین سرایت

کرجاتے ہین، اور اسکا باعث یہی جذبۂ ہمدردی ہوتا ہے۔ جن لوگون مین یہ جذبہ
قوی ہوتا ہے، وہ دوسرون کے کام مین ہاتھ بٹانے اور ان کی شادی وغم مین
شریک ہونے کے لیے زیادہ آمادہ و مستعد رہتے ہین۔ یہ لوگ سوسائٹی مین بہت
مقبول رہتے ہین، اور خلیق و ملنسار کہلاتے ہین۔ برخلاف اس کے جن لوگون
مین یہ جذبہ ضعیف ہوتا ہے، وہ سوسایٹی سے الگ تھلگ رہتے ہین، اور خشک
و کج خلق کہلاتے ہین۔ لیکن جن لوگون مین یہ جذبہ صرف جذبہ کی حیثیت سے
قوت رکھتا ہے، اور جنکی قوت ارادی ضعیف و قوائے عمل مضمحل ہوتے ہین، وہ بھی
دوسرون کے دُکھ درد مین عملاً کوئی شرکت نہین کرسکتے۔ بلکہ جب دوسرون کو مبتلائے
الم دیکھتے ہین، تو انھین سخت تکلیف ہوتی ہی۔ اور اس نظارہ کو اپنی آنکھون سے
اوجھل کردینا چاہتے ہین۔ یہی وجہ ہی، کہ نہایت رقیق القلب اشخاص تیمارداری
کے لیے موزون نہین ہوتے۔ یہ لوگ صف ماتم تو بچھا سکتے ہین، لیکن زخمون کی
مرہم پٹی نہین کرسکتے۔ یہ جذبہ جب زیادہ ترقی کرجاتا ہی، تو انسان اپنی ہمدردی
کا دائرہ بیحد وسیع کردیتا ہے، بلکہ عالم مین ہر شے اُسے اپنی ہمدردی کی اہل نظر
آنے لگتی ہے۔ شاعر کائنات کے ایک ایک ذرہ سے ہمدردی رکھتا ہے۔
اُسے کوہ و دریا، شجر و حجر، شام و سحر، باغ و دشت، چرند و پرند، آفتاب و ماہتاب،
آسمان و زمین سے، جو غیر محدود ہمدردی ہوتی ہے، وہ اسی جذبہ کی سطح اعتدال
سے اونچی، ایک صورت کا نام ہے۔

اس جذبہ کی تکوین کس وقت ہوتی ہی؟ اسکا قطعی جواب دینا تو دشوار ہے، لیکن اسقدر بہرحال مسلّم ہے، کہ بچہ مین دو ماہ کی عمر سے پیشتر اسکا ظہور نہین ہوتا، بلکہ بعض علماء نفسیات نے یہ رائے ظاہر کی ہے، کہ اسکا ظہور ایک سال کے سن مین ہوتا ہے۔

ہمدردی اگرچہ اپنے ابتدائی درجہ مین، بہ حیثیت ایک جذبۂ اساسی کے، کسی دوسرے جذبہ سے مرکب یا ماخوذ نہین ہوتی، تاہم سن شعور پر پہونچکر آدمی مین جو جذبۂ ہمدردی اپنی پوری قوت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، اسکی تکوین شرائط ذیل پر موقوف ہے :-

(۱) تجربہ وحافظہ۔

کسی شخص سے کسی خاص کیفیت مین ہمدردی کرنے کے لیے ضروری ہی، کہ وہ، یا تقریبًا وہ کیفیت، خود ہمارے اوپر کبھی پیشتر گزر چکی ہو، اور ہمارے ذہن مین اسکی یادداشت محفوظ ہو۔ یہی باعث ہے، کہ بچہ جوان سے، اور جوان بڈھے سے، پوری ہمدردی نہین رکھ سکتا۔ مختلف ممالک کے باشندون کے درمیان جو ایک اجنبیت وغیر ہمدردی پائی جاتی ہی، اُسکا سبب بھی یہی ہی، کہ انھین ایک دوسرے کے رنج وراحت، دُکھ سُکھ، اور ضروریات کا تجربہ نہین ہوتا۔ دردرسیدہ کی شرکت غم اُسی کیلیے ممکن ہی، جو خود بھی دل درد آشنا رکھتا ہو۔ عاشقانہ جانبازیون کی داد وہی دے سکتا ہے، جو خود بھی عاشقی کرچکا ہو۔ ایک نوعروس اسکا

اندازہ ہی نہین کرسکتی، کہ ہوگی کیا شے ہوتی ہے۔

(۲) قوت متخیلہ۔

بعد ذاتی تجربہ کے، قوت متخیلہ ایسی چیز ہے، جسکی اعانت سے انسان دوسرون کی حالت جذبی کا تصور اپنے ذہن مین پیدا کرکے اُن سے ہمدردی کرسکتا ہے۔

(۳) مظاہر جذبات سے واقفیت۔

جس طرح انسان کے پاس ایک دوسرے کے خیالات وافکار سے واقف ہونے کا کوئی ذریعہ بجز زبان کے نہین، اسی طرح دوسرون کے احساسات وجذبات پر مطلع ہونے کا بھی کوئی ذریعہ بجز ان کے آثار ومظاہر کے نہین پس اگر کوئی شخص یہ نہین جانتا، کہ فلان مظاہر وآثار فلان جذبات کے شواہد ہین، تو وہ دوسرے کے جذبات پر بھی اطلاع نہین حاصل کرسکتا، اور اسی لیے اُن سے ہمدردی نہین کرسکتا۔

شرائط بالا سے ایک اہم تفریع یہ نکل سکتی ہی کہ انسان فطرت بشری سے جتنا زیادہ واقف، اور اسرار نفسی کا جتنا زیادہ رمز شناس ہوگا، اسی قدر اسکی ہمدردیان وسیع ہونگی۔ چنانچہ یہ ایک واقعہ ہے کہ حقیقی شاعر حقیقی معلم، اور حقیقی عالم نفسیات کی ہمدردی کا دائرہ غیر محدود ہوتا ہے۔

مویدات ہمدردی حسب ذیل ہوتے ہین:۔

(۱) انسان کا دیگر مشاغل سے خالی الذہن ہونا۔

(۲) ہمدردی طلب شخص کے ساتھ تعلقات سابقہ کی مناسبت

اپنے عزیز کی خفیف سے خفیف تکلیف پر ہم اپنی ہمدردی صرف کرتے ہین لیکن اپنے دشمن کی سخت سے سخت تکالیف سے بھی غیر متاثر رہتے ہین -

(۳) جذبہ کے آثار جسمی کی قوت - ایک معمولی دردانگیز واقعہ ہم ایک کتاب مین پڑھتے، یا کسی کی زبانی سُنتے ہین، اور چنداں متاثر نہین ہوتے لیکن اسی معمولی واقعہ کو جب ایک اچھا ایکٹر ہمارے سامنے ایکٹ کرکے دکھا دیتا ہی، تو ہم بے اختیار ہو جاتے ہین -

اسی جذبہ ہمدردی سے ملتا جلتا، بلکہ (بقول بعض علماء نفسیات کے) اسی کی ایک صنف وہ جذبہ ہے، جسے اصطلاح مین جذبہ لطیف کہتے ہین جب کسی شخص کو دیکھکر ہمارا دل پسیجتا ہے، اور ہم اُس سے بہ لطف و محبت پیش آنا چاہتے ہین، تو اس حالت کو جذبہ لطیف کہتے ہین - اس جذبہ کا لُب لُباب ایک کشش ہے جو ایک شخص کو دوسرے کی جانب معلوم ہوتی ہی اور پہلا شخص دوسرے سے کسی نہ کسی طرح کے اتصال کی خواہش رکھتا ہی جسم کو مس کرنا، ہاتھ ملانا، بوسہ لینا، ہم آغوش ہونا، یہ اسکے مختلف مدارج ہین - اسکی خاص علامت جسمانی یہ ہی کہ تمام رطوبات مین افزائش ہو جاتی ہی، عورت کی چھاتیون کی فعلیت بڑھ جاتی ہی، آنکھین نم ہو جاتی ہین، بعض وقت آنسو بھی نکل آتے ہین -

جذبہ لطیف کے محرکات حسب ذیل ہین :-

(۱) تقابل جنس۔ عورت کو دیکھکر مرد مین، اور مرد کو دیکھکر عورت مین یہ جذبہ قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے۔

(۲) احسان۔ احسان کے معاوضہ مین انسان جو اپنے محسن سے اظہار شکرگزاری ومنت پذیری کرتا ہے، وہ اسی جذبہ لطیف کی ایک صورت ہے۔

(۳)۔ ابوت یا اموت۔ بعض حکما کا خیال ہو کہ والدین اپنے آیندہ منافع کی توقع پر اپنی اولاد سے محبت رکھتے ہین لیکن یہ خیال صحیح نہین والدین کا اپنے بچون سے الفت رکھنا لازمہ فطرت ہی جسکا اظہار وہ انکی ولادت کے وقت سے اُنھین گود مین لینے تھپکیان دینے انکی جلد کو سہلانے، پیار کرنے، وغیرہ مختلف ذرایع سے کرنے لگتے ہین انسان سے قطع نظر کرکے یہ جذبہ حیوانات مین بھی پایا جاتا ہی جو اپنے بچون کو چومنے چاٹنے مین انسان سے کم واضح طور پر اظہار الفت نہین کرتے۔

(۴) مصاحبت متواتر۔ یعنی اگر ہم کسی شخص کے ساتھ عرصہ تک ملتے جلتے اُٹھتے بیٹھتے رہین تو اگر کوئی مانع قوی نہ پیدا ہو جائے اُس سے ہمین خواہ مخواہ اُلفت پیدا ہو جائیگی اور اگر ہماری ہم جلیس عورت ہی تو یہ جذبہ اور بھی قوت کے ساتھ ظاہر ہوگا۔

(۵) استماع منت پذیری۔ فرض کرو کہ ہم زید کو بحیثیت اُسکے محسن ملک وملت ہونے کے ایک بڑا شخص سمجھتے ہین تو جب بکر اُسکی خدمات کا ایک پُر درد پیرایہ مین ذکر کرنے لگتا ہی علی الخصوص اُسکے مواجھہ مین تو ہم یقیناً اُسوقت جذبہ لطیف سے متاثر ہونگے۔

(۶)۔ رشتہ داری۔ ایک خاندان کے مختلف ارکان مین فطرتاً باہم الفت ومؤانست

ہوتی ہے۔ اسی واقعہ کو عوام یون کہتے ہین، کہ ایک عزیز کو دیکھکر دوسرے عزیز کا خون جوش کھانے لگتا ہے۔

(۷) تمام نازک، سڈول، اور خوشنما مصنوعات اور
(۸) تمام مخلوقات جنکے جسم ملایم گداز اور نازک ہوتے ہین، } جذبۂ لطیف کے

محرک ہوتے ہین (بشرطیکہ اُن سے کوئی مخالف جذبہ نفرت، حقارت وغیرہ نہ پیدا ہو جائے)۔

جذبات اساسی کی ایک خصوصیت یہ ہے، کہ یہ کبھی کسی شخص مین سرے سے معدوم نہین ہوتے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے، کہ بعض افراد مین انکی صورتین عام طرز سے مختلف واقع ہوتی ہین۔ ان کا تموج اس زور کا ہوتا ہے، کہ یہ اپنے بہاؤ کے واسطے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال لینگے، اگر ایک راستہ کسی خاص سبب سے بند ہوگا، تو دوسرا سہی۔ یہ اسی قانون کا نتیجہ ہی، کہ جو افراد بادی النظر مین نہایت بے مروت کھرے، اور خشک مزاج معلوم ہوتے ہین، وہ بھی کسی نہ کسی شے پر اپنے جذبۂ لطیف کو ضرور ہی صرف کرتے ہین۔ میرے ایک دوست کو اپنے خاندان مین کسی سے یہانتک کہ اپنے والدین تک سے مطلق موانست نہین، اہل و عیال کے جنجال سے سخت متنفر ہین، غرض خانگی زندگی مین اظہار الفت کے جو جو مواقع ہین، اُن سب سے انھین وحشت ہوتی ہی، اور وہ مجھ سے بارہا کہہ چکے ہین، کہ عوام کا یہ خیال کہ خون مین محبت ہوتی ہی، بالکل بے بنیاد ہی۔ لیکن باانہمہ مین اپنے انھین دوست کو دیکھتا ہون، کہ انھین بچون سے بے حد محبت ہے۔ کسی کا بچہ انھین مل جائے، وہ

نہایت ذوق وشوق اور دلچسپی کے ساتھ اسکی جانب مشغول ہوجاتے ہین، اور پھر اپنے دوستون کے ساتھ اسقدر ہمدردی برتتے ہین کہ جب اُن کے کسی دوست بلکہ شناسا پر کوئی مصیبت آجاتی ہے، تو اُسکے گھر والون سے زیادہ یہ اسکی امداد و اعانت کرنے پر آمادہ رہتے ہین۔ وہ نفسیات کے اس اصول سے بے خبر ہین، کہ فطری جذبۂ اُلفت جسے ایک حد خاص تک اُنھین اپنی خانگی زندگی مین صرف کرنا چاہیے، اُسکا رُخ ایک غیر شعوری طور پر اُنھون نے دوسری جانب پھیر دیا ہے، ورنہ وہ جذبہ اپنی پوری قوت کے ساتھ جون کا تون موجود ہے۔ آپ مین اولاد کی مامتا فطرتًا موجود ہے، لیکن اگر آپ کے اولاد ہی نہین یا ہے مگر آپ کسی وجہ سے اسکی جانب پوری طرح ملتفت نہین ہوتے، تو اسکا رُخ آپ کو مجبورًا دوسری طرف پھیرنا پڑیگا۔ اپنی اولاد نہ سہی، دوسرے کی اولاد، یا یہ بھی نہ سہی تو کسی جانور، کسی کھلونے، غرض کسی نہ کسی شے سے آپکو ویسا ہی لگاؤ یقینًا ہوگا، جیسا عام افراد کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔

انانیت

یہان تک ہم نے جن جذبات (غم و مسرت، خوف، غضب، اور ہمدردی)
کی تشریح کی، اُن کا انسان وحیوان مین مشترک ہونا مسلم ہے لیکن جذبۂ انانیت سے
متعلق، بعض علماء نفسیات کا دعویٰ ہے، کہ یہ انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔
یہ دعویٰ صحیح ہو یا نہو، لیکن اسقدر قطعی ہے، کہ اس کے ڈانڈے سرحد فکر سے
بالکل ملے ہوے ہین، اور جن حیوانات کی قوت فکری ضعیف ہوتی ہے، اُن مین
یہ جذبہ پیدا نہین ہوسکتا۔ شیرخوارگی مین بچہ کا شعور جس ناقص حالت مین ہوتا ہے
وہ ظاہر ہے؛ اسوقت تک وہ یہ بالکل نہین سمجھتا، کہ وہ خود بھی کوئی ذات یا شخصیت
رکھتا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ سرے سے ذات یا شخصیت کا مفہوم ہی اُسکی سمجھ سے باہر
ہوتا ہے۔ البتہ جب اس دور سے نکلتا ہے، تب وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مثل دیگر ہستیون
کے وہ بھی ایک مستقل وقائم بالذات وجود رکھتا ہے، اور یہ کہ دنیا کی دوسری ہستیون کے

مقابلہ مین اسکی ہستی قوی یا کمزور ہے۔ اس اپنی ذات خودی یا شخصیت کے شعور سے اس مین جو کیفیت جذبی پیدا ہوتی ہے، اسی کا نام جذبہ انانیت ہے محققین نفسیات کا بیان ہے، کہ اسکا ظہور بچہ مین تیسرے سال سے ہوتا ہی۔

انانیت کے دو پہلو ہین (۱) ایجابی، اور (۲) سلبی۔

انانیت ایجابی سے مراد اُس کیفیت جذبی سے ہی جو کسی شخص مین اپنے تئین دوسرون کے مقابلہ مین برتر سمجھنے سے پیدا ہوتی ہی۔ اسکا نام غرور یا تکبر ہی۔ اور اسکے مماثل جذبات خودبینی، خودپسندی، خوداعتمادی، خودستائی، خودنمائی اور فخاری ہین۔ غرور کے آثار جسمی حسب ذیل ہوتے ہین :-

سانس بہت گہری چلنے لگتی ہے، جس سے سینہ وحنجرہ پھول جاتا ہی؛ رگون کے تن جانے سے عضلات اُبھرے ہوے معلوم ہوتے ہین جس سے انسان زیادہ تیار و تنومند نظر آنے لگتا ہے۔ چلتے ہوے سارا جسم اکڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ سر اور چہرہ اوپر کی طرف اُٹھا رہتا ہے۔ مونچھون کے بال کسی قدر کھڑے ہوجاتے ہین۔ انسان دانت اور مُنہ بند کیے رہتا ہی۔ پیشانی پر ہلکی سی شکن بھی پڑی رہتی ہے۔

برخلاف جذبات خوف وغضب کے، جو ایک ہنگامی وآنی اشتداد رکھتے ہین، اور طوفان کی طرح یکایک اپنا زور وشور دکھا کر فوراً غائب ہوجاتے ہین، غرور نفس انسانی مین ایک مستقل ومستمر کیفیت رکھتا ہے۔ وہ نہ ہی طوفان

کی طرح نہین بلکہ پہاڑ کے مثل ہے، جو اپنی جگہ پر قائم ہے اور خود دفعۃً کسی شی پر جھپٹتا نہین، البتہ جو چیزین خود آکر اُس سے ٹکراتی ہین، اُنھین وہ ریزہ ریزہ کرڈالتا ہے۔

انانیت سلبی سے مراد اُس کیفیت جذبی سے ہے، جو انسان مین اپنی تئین دوسرون کے مقابلہ مین حقیر و فروتر سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے اس کا نام انکسار و تواضع ہے۔ فروتنی، عاجزی، مسکینیت، تذلل، اسکے مماثل جذبات ہین۔ یہ جذبہ چونکہ غرور کے نقیض ہی، لہذا اسکے آثار جسمی بھی آثار غرور کے بالکل متضاد ہوتے ہین یعنی نظر نیچی گردن جھکی ہوئی، تنفس سست، اور چلنے مین انسان بجاے اٹھلانے کے نرمی و سہولت سے قدم اُٹھاتا ہے۔ بعض نے کہا ہی، کہ غرور جذبات مسرت و غضب کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔ اگر یہ سچ ہی، تو کہہ سکتے ہین کہ انکسار جذبات غم و خوف کی درمیانی حالت ہے۔

خودنمائی، اگرچہ ہم جیسا ابھی کہہ چکے ہین، مماثل غرور ہے، لیکن یہ مماثلت صرف اس لحاظ سے ہے، کہ انسان ان دونون جذبات مین، اپنے مقابلہ مین دوسرون کو حقیر و فروتر سمجھتا ہے، ورنہ یہ دونون جذبات ایک طرح باہم متناقض بھی ہین۔ وہ تناقض یہ ہی، کہ خودنما شخص، اپنے محاسن و کمالات کا جو علانیہ اظہار کرتا رہتا ہی اسکا ہمیشہ خواہشمند رہتا ہے، کہ دوسرے اسکی تعریف کرین، اور اس طرح گویا دوسرون مین وہ اس امر کی اہلیت ضرور تسلیم کرتا ہے، کہ اسکی داد دے سکین۔

برخلاف اسکے مغرور شخص دوسرون کی مدح و ثنا سے مستغنی اور انکی داد و ستائش سے بے پروا رہتا ہے۔ اُسے اپنی ذات پر خود اتنا اعتماد رہتا ہے کہ دوسرون کی تائید کی پروا بالکل نہین باقی رہتی۔ پس کہہ سکتے ہین کہ غرور نام ہے مفرط خود اعتمادی کا اور خود نمائی نام ہے مفرط داد طلبی کا۔ یہ بھی تجربہ مین آیا ہے کہ مردون کے طبائع مین غرور زیادہ ہوتا ہے، اور عورتون کے مزاج مین خود نمائی۔

محرکات غرور کی فہرست اُن تمام چیزون پر مشتمل ہے جن سے ہمارے نفس مین تفوق و ترفع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، یا جو ہمارے لیے باعث راحت انبساط ہین۔ اسی طرح محرکات انکسار کے تحت مین وہ کل چیزین داخل ہین جن سے ہمارے نفس مین پستی و تذلل پیدا ہوتا ہے، یا جو ہمارے لیے موجب انقباض و الم ہوتے ہین تاہم محرکات غرور کے عنوانات مہمہ درج ذیل کیے جاتے ہین:-

(۱) دولت۔

دولت چونکہ وہ قیمت ہے، جس سے انسان تقریباً تمام سامان لذت و راحت خرید سکتا ہے، اس لیے دولتمند عموماً اپنے تئین دوسرون سے ممتاز و مفتخر سمجھنے لگتا ہے۔

(۲) حکومت۔

حکومت بھی چونکہ وہ آلہ ہے جس سے انسان دوسرون کو اپنا محکوم و ماتحت بنا لیتا ہے، اس لیے حاکم مین نخوت قدرتاً پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) عزت۔

عام اثر یا اعزاز، دولت وحکومت سے ایک علحدہ شے ہے، مگر ماحصل اسکا بھی وہی ہے۔ یعنی اسکے باعث انسان دوسرون پر ایک تفوق رکھتا ہی اسلیے غرور آفرینی کا یہ بھی ایک سبب ہوتی ہے۔ (شرافت نسبی کے لیے علحدہ عنوان کی حاجت نہین، اسکا مفہوم عزت کے دائرہ مین آجاتا ہے)۔

(۴) علم وفضل۔

صاحبان فکر وارباب علم مین چونکہ پیش بینی، زود فہمی، ومآل اندیشی کے قوے نمو یافتہ ہوتے ہین، اور یہ بہترین ذریعہ جلب راحت وحصول انبساط کا ہی اسلیے ان لوگون مین رعونت کا پیدا ہوجانا ایک عام واقعہ ہے۔

(۵) حُسن وجمال۔

انسان کے لیے اجسام جمیل ومتناسب الاعضا مین ایک طبعی دلکشی ہے، اوران کے دیدار سے اُسے حظ وفرحت حاصل ہوتی ہے۔ پس جب اس فرحت ولذت کا ماخذ وہ اپنی ذات ہی مین پاتا ہے، تولامحالہ وہ اپنے تئین ایک قابل قدر شے خیال کرنے لگتا ہے، اوراسی کا نام غرور ہے۔

(۶) زہد وتقویٰ۔

ایک زاہد کے نزدیک جب یہ مسلم ہے، کہ عبادت وریاضت، راحت دائمی کی منتج ہین، اورپھر جب اس راحت کا منبع اسے اپنی ذات مین نظر آتا ہے، تو آمین

غرور پیدا ہوجانا مطلق حیرتناک نہین۔

(۷) کمال فن۔

اسکا اثر محتاج تصریح نہین۔

(۸) قوت جسمانی۔

اسکا اثر بھی محتاج بیان نہین۔

(۹) صحت۔

یہ محرک گو نسبتاً قلیل الوقوع ہی، لیکن بالکل نادر الوقوع بھی نہین۔ دیکھا ہوگا، کہ لوگ اُن امراض کو جو متعدی یا شرمناک خیال کیے جاتے ہین، اپنی جانب منسوب ہونے سے اپنا دامن کسقدر بچاتے ہین، اور اپنے تئین ناقص العضو ہونے کے الزام سے کسقدر پاک رکھنا چاہتے ہین۔

محرکات بالا کے نقیض جذبۂ انکسار کے سببات ہوتے ہین، اس لیے انکی تصریح غیر ضروری ہے۔

جذبۂ غرور کی تکوین سے متعلق، خصائص ذیل خاص طور پر قابل لحاظ ہین:

(۱) سب سے مقدم یہ شرط ہی کہ غرور آفرین شی کا تعلق ہماری ذات سے ہونا چاہیے، ورنہ جذبۂ غرور نہین پیدا ہوسکتا۔ ہم نمایشگاہون عجایبخانون اور تفریح گاہون مین نہایت بیش بہا سامان، نہایت خوبصورت چیزین، اور نہایت دلکش مناظر کا مشاہدہ کرتے ہین، لیکن ان سے گو لطف و مسرت حاصل ہوتی ہی، تاہم جذبۂ

غرور نہین پیدا ہوتا، اس لیے کہ انھین ہماری ذات سے کوئی علاقہ نہین ہوتا۔
ہم کسی جلسۂ طرب مین جاتے ہین اور وہان کے سامان عیش سے نہایت محظوظ ہوتے
ہین، کسی ضیافت مین شریک ہوتے ہین اور وہان کے پرتکلف کھانے کی تعریف مین
رطب اللسان ہوتے ہین، کوئی عمدہ کتاب پڑھتے ہین اور اسکے مطالعہ سے خاص لطف
اُٹھاتے ہین، غرض ان سب صورتون مین اگرچہ ہمین حظ و انبساط حاصل ہوتا ہے،
لیکن غرور کی کیفیت نہین پیدا ہوتی۔ بخلاف اسکے اگر ہم خود کسی جلسۂ طرب کے بانی،
کسی پرتکلف ضیافت کے میزبان، یا کسی کتاب کے مصنف ہون، تو بے شبہ ہم مین
غرور بھی پیدا ہوتا ہے، اس لیے کہ اس صورت مین ان انبساط انگیز چیزون کا تعلق
ہماری ذات سے ہوتا ہے۔

لیکن خود "ذات" کا مفہوم نہایت مبہم و غیر معین ہی۔ ہر شخص کے لیے
اسکا ایک جداگانہ منشا ہوتا ہی، اسی لیے مختلف افراد مین موجبات غرور بھی مختلف
ہوتے ہین۔ "ذات" عبارت ہے اُن اشیاء کے مجموعہ سے جن پر انسان "اپنی" کا
اطلاق کرسکتا ہے، اور ظاہر ہی کہ ہر شخص اسکے لیے ایک جداگانہ معیار رکھتا ہے،
ایک نہایت خود غرض شخص، صرف اپنے نفس اور اپنے جسم کو اسکے مفہوم مین داخل سمجھتا
ہے، دوسرا اپنے بیوی بچون کو، تیسرا اپنے سارے خاندان کو، ایک اور اپنے وطن کو،
اور پھر ایک اور اپنے مذہب و قوم کو۔ دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہین، جنکے
سامنے اُن کی قوم و ملک کو لاکھ برا بھلا کہو، مگر انھین کچھ بھی احساس نہ ہوگا؛ بخلاف

اسکے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہین، کہ اگر اُن کے قوم و ملک کی ہلکی سی بھی توہین کرو، تو اُن کے غرور کو صدمہ پہونچتا ہے، اور وہ اُس پر ایسا برافروختہ ہوجاتے ہین کہ گویا خود اُنکی توہین کیگئی۔ اسکا سبب یہی ہو کہ وہ اپنی ذات کے مفہوم کے تحت مین اپنے ملک و قوم کو بھی داخل سمجھتے ہین۔ حکمران قوم کے ہر فرد کا محکوم قوم کے ہر فرد کو ذلیل سمجھنا اور اسکے مقابلہ مین اپنے تئین معزز خیال کرنا، قومی انانیت کو شخصی انانیت کے مرادف سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہو کہ غرور آفرین شی نہ صرف ہماری ذات سے متعلق و وابستہ ہو، بلکہ ہماری ذات کے ساتھ مختص بھی ہو۔ سرشت انسانی کا یہ ایک اقتضاے طبعی ہے کہ جس شے کے ہم عادی ہو جاتے ہین، یا جو اکثر ہمارے تجربہ مین آتی رہتی ہے، اسکی وقعت ہماری نظر مین کم ہوجاتی ہو پس جو کمالات یا محاسن ہم اپنے ساتھ اور بہت سے لوگون مین مشترک پاتے ہین، انکے باعث ہم اپنے مین کوئی وجہ امتیاز نہین دیکھتے، اور اُنکی قدر ہماری نظر مین گھٹ جاتی ہے۔ اسی لیے انسان کو غرور اُس شی پر ہوتا ہے، جو غیر مشترک ہو، یا اگر مشترک ہو تو زیادہ سے زیادہ چند افراد مین۔ لیکن اگر زیادہ عام ہوئی تو بنائے غرور نہین بن سکتی۔ جاہل دہقانیون کے درمیان ایک بیرسٹر کا غرور سے تن کر چلنا بالکل قدرتی امر ہی لیکن اگر وہ بار روم مین بھی جہان کوئی شخص بیرسٹر سے کم درجہ کا نہین اکڑ کر چلے، تو قطعی حماقت ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ غرور آفرین شے کوئی راز نہو بلکہ ایسی واضح و نمایان شے ہو، کہ اس پر ہر شخص کی نظر پڑ سکے۔ دولت، عزت، حکومت، علم و کمال وغیرہ جتنے موجبات غرور اوپر بتائے گئے، انکا علم اگر صرف ان کے رکھنے والے تک محدود ہے، اور کوئی دوسرا شخص ان سے واقف نہو، تو ان سے انسان مین (خواہ طمینان قلب وانبساط کتنا ہی قائم ہے لیکن) جذبہ غرور مطلق نہین پیدا ہو سکتا۔ کسی شے پر مغرور ہونے کے لیے ضروری ہے، کہ اسکا باعث فخر و اعزاز ہونا دوسرون کے نزدیک بھی مسلم ہو۔ جذبہ خودنمائی کی تکوین تو تمام تر دوسرون کی مدح و ستایش پر منحصر ہوتی ہے لیکن جذبہ غرور بھی اس سے بالکل بری نہین۔ یہ سچ ہے کہ مغرور شخص، اکثر پبلک کی موافقت و مخالفت، رد و قبول مدح و ذم کے ساتھ مساوی درجہ کی بے اعتنائی کرتا ہے، باایہمہ اسکے نفس مین ہمیشہ نہان نہان اس اعتقاد کی تحریک قائم رہتی ہے، کہ اس مین جو اوصاف امتیازی ہین پبلک کو انکی قدر کرنی چاہیے، گو وہ اپنی بدمذاقی سے اسوقت قدر نہین کر رہی ہے اور وہ اس امر کا یقین رکھتا ہے، کہ پبلک کا ایک مختصر و محدود حصہ جسے وہ صاحب نظر و جوہر شناس کہتا ہے، اسکی قدر کر رہا ہے، یا اگر یہ بھی نہین، تو کم از کم آیندہ اسکی قدر کریگا۔ غرض محرک غرور کوئی ایسی شے نہین ہو سکتی، جسکا علم صرف اسکے رکھنے والے کی ذات تک محدود ہو، اور جو دوسرون کی نظر مین اعزاز و ترفع کا سبب نہ بن سکتی ہو۔

(۴) تکوین غرور سے متعلق آخری شرط یہ ہے، کہ جو شے محرک غرور ہو رہی ہے، اُس مین استقلال و پایداری ہو، یا کم از کم یہ کہ اسوقت ذہن مین

اسکی زود فنائی کا خیال نہ ہو۔ ہنگامی کامیابی عارضی حُسن مستعار دولت آنی عزت، غرض وہ تمام چیزین جو بجاے خود محرک غرور ہوتی ہین، اگر انکے متعلق یہ یقین ہوجائے کہ وہ ایک تھوڑے ہی وقفہ کے بعد سلب کی جائینگی تو بجاے غرور کے حسرت وتاسف کی کیفیات پیدا کرتی ہین۔

انسان اگر اپنی روزانہ زندگی کے مجموعۂ اعمال کا تجزیہ کرے، تو اسے نظر آئیگا کہ ان کے بیشتر حصہ کا محرک یہی جذبہ خودنمائی ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑے شجاع سرداران فوج، جو اپنی جان ہر وقت گرفتار خطرات رکھتے ہین، بڑے سے بڑے شیفتگان علم، جو کسی مسئلہ کی تحقیقات مین اپنی صحت کو بالکل برباد کردیتے ہین، اور بڑی ہی بڑی پاکباز خواتین جو حفظ عصمت کے لیے اپنی زندگی تک سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہین، ان سب کی شجاعت، حقیقت جوئی اور پاکبازی کی تہ مین تقریباً ہمیشہ یہ جذبہ مخفی رہتا ہی کہ دوسرون کی نظر مین اپنی فضلیت، وبرتری ثابت کرکے اپنی ذات کے لیے شہرت و ناموری حاصل کیجائے۔

خودنمائی کے تین مختلف مظاہر ہوتے ہین۔ ایک صورت یہ ہے کہ اپنی طرف سے محبت وخوش اعتقادی دوسرون کے ذہن مین پیدا کرانے کی خواہش ہو۔ جن لوگون کو یہ خواہش ہوتی ہے، وہ اپنے اعمال سے اپنے ایثار، ہمدردی، پاکبازی، خداترسی، وغیرہ اخلاق حسنہ کا ثبوت دیتے ہین کہ اسی سے دوسرون کے دل مین

محبت و عقیدت پیدا ہوتی ہے۔ دوسری صورت مین اپنی عزت و وقعت کا پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس جذبہ کے اشخاص مختلف کمالات علمی یا جسمانی کے اکتساب مین مشغول رہتے ہین۔ تیسری شکل مین محض حصول نام و نمود سے غرض ہوتی ہے اور اس سے کچھ بحث نہین رہتی کہ نیک نامی حاصل ہوگی یا بدنامی۔ عموماً لوگون مین یہ تینون خواہشین یکجا رہتی ہین، لیکن بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہین جن مین شقوق بالا مین سے صرف کسی ایک ہی شق کی خواہش موجود ہوتی ہے اور وہ اسی مین کامیابی حاصل کرتے ہین۔ تانتیا بھیل ڈاکو، امیر علی ٹھگ، چیتو پنڈاری، ان سب لوگون نے اپنی قزاقی و رہزنی کے باعث کسی بادشاہ یا فاتح سے کم نمود نہین حاصل کی، مگر عزت و وقعت ان کے نصیب مین نہ تھی۔ رام مورتی کشتی باز اور سینڈو پہلوان کا جہان کہین گذر ہوتا ہے، عزت استقبال کے لیے آتی ہے، بیکن و ڈیکارٹ، کینٹ و اسپنسر کا نام جب لیا جاتا ہے، تو وقعت و احترام کے کان سے سنا جاتا ہے، لیکن ان مین سے کسی کے ساتھ کوئی ولولہ محبت و عقیدت نہین پیدا ہوتا۔ البتہ نوشیروان عادل، جان ہاورڈ، مس نائٹ انگیل، اور نواب وقار الملک، ایسے نام ہین، جو اپنے اندر محبت و عقیدت کے جذبات کو برانگیختہ کر دینے کی قوت رکھتے ہین۔

انسان مین اپنے معائب کے مخفی رکھنے اور اپنے محاسن کو نمایان کرنیکا

جو مادہ ہوتا ہے، وہ اسی جذبہ خود نمائی کا نتیجہ ہے۔ اپنی جن خصوصیات مزاجی سے ہم سمجھتے ہین، کہ دوسرون کے نزدیک ہماری نام و نمود، عزت و وقعت، یا محبت و عقیدت مین اضافہ ہوگا، انھین ہم نمایان رکھتے ہین، اور جن سے ہم سمجھتے ہین کہ دوسرون کی نظر مین ہماری بے وقعتی، بدعقیدگی، وسبکی پیدا ہوگی، انھین ہم پوشیدہ چھپاتے ہین۔ اسی کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے محاسن کو دوسرون کے سامنے اس طرح نہ پیش کرین، کہ نمایش کی جھلک آئے، ورنہ ہمارا مقصد ہی فوت ہو جائیگا۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ہم خود ستائی نہ کرین، ورنہ دوسرے ہماری ستایش مین بخل کرینگے۔ داد و ستایش ایک عطیہ ہے جو سوسائٹی افراد کو اپنی خوشی سے دیتی ہے پس اگر کوئی فرد بجائے خود اپنے تئین داد و ستائش کا مستحق قرار دے لیتا ہے تو سوسائٹی اسے اپنی توہین خیال کرتی ہے، اور سمجھتی ہے کہ اس فرد نے اسکو ایک حق سے محروم کر دیا۔

داد طلبی کے لوگون نے نہایت مخفی وسائل اختیار کیے ہین ان مین سے داد طلبی کی ایک دقیق ترین صورت یہ ہے کہ ایک شخص خود دوسرون کے سامنے اپنے معائب یا کمزوریان گنانا شروع کر دیتا ہے لیکن اسمین تقریباً ہمیشہ اسکی سعی مخفی یہ رہتی ہے، کہ مخاطبین اسکی تردید کرین یا اقل مرتبہ یہ کہ اس سے ہمدردی کرین۔ ان وسائل کے اصلی معنی پر جبتک مخاطبین کی نظر نہین پڑتی اسوقت تک وہ حسب توقع متکلم اسکی مدح و تعریف کرتے ہین، لیکن جب وہ اسکی تہ تک پہونچ جاتے ہین، تو انکی نظر مین اسکی بے انتہا بے وقعتی ہو جاتی ہے۔

باب (۱۲)

شہوت

جذبات اساسی کی فہرست مین شہوت ترتیبًا سب سے موخر ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے، کہ جس جذبہ پر علما نفسیات نے سب سے کم توجہ کی ہے، وہ یہی ہے۔ پروفیسر بین نے نفسیات پر دو ضخیم مجلدات لکھے، لیکن اس سارے دفتر مین اس جذبہ سے متعلق مجموعی طور پر بھی ایک صفحہ سے زائد مواد نہین ملتا! ونٹ، اسپنسر، جیمس، سلے، اور اسٹاوٹ نے اپنی مبسوط و ضخیم تصنیفات مین نفسیات کے ہر شعبہ پر اس تفصیل سے بحث کی ہے، کہ عام ناظرین اُکتا جاتے ہین۔ لیکن اس مسئلہ مین یہ بین سے بھی زیادہ بخیل ہین۔ آخر اس سازشِ سکوت، کے کیا معنی ہین؟ کیا یہ اس لیے ہے، کہ ہماری تہذیب مروج کے دارالافتاء سے اس قسم کے تذکرون کے فحش ہونے کا فتوی صادر ہو چکا ہے؟ لیکن ہمارے علوم رسمیہ جسمی آلائشون و کثافتون کے معائنہ و مشاہدہ کی کب اجازت دیتے ہین؟

پھر کیا اس بنا پر مشرحین کو اپنے فرائض سے غافل ہو جانا چاہیے؟ کیا عضویات کی تحصیل بند ہو جانا چاہیے؟ کیا اطبا کو اپنا پیشہ چھوڑ دینا چاہیے؟

بہر حال، اسباب خواہ کچھ ہوں، اس جذبہ کی طرف سے علما نفسیات کی غفلت بے شبہ تو بھی حد درجہ افسوسناک ہے۔ باایں ہمہ مختلف گوشوں سے ریزہ چینی کر کے جو کچھ جمع ہو سکا ہے، وہ ذیل میں پیش ہے۔

اس جذبہ کے ابتدائی مقدمات اگرچہ طفولیت ہی سے ظاہر ہونے لگتے ہیں، لیکن اسکا پورا ظہور جبتک سن بلوغ پر پہونچکر ہوتا ہے، اسلیے اسکے لوازم جسمی و نفسی سے ہر شخص بہ آسانی واقف ہو سکتا ہے۔ سن بلوغ کی سب سے قطعی علامت یہ ہے کہ اعضائے جنسی ثانوی[۵] میں کافی نشو و نما ہونے لگے، یعنی مرد کے چہرہ پر بال اُگنے لگیں، اور عورت کے سینہ پر اُبھار آجائے۔ نیز یہ کہ ہر دو جنس کے آلات تناسل یا کم از کم ان کے ملحقات پر بال پیدا ہونا شروع ہو جائیں۔ اگر اس عمر پر پہونچکر بھی یہ جذبہ نہ پیدا ہو، تو سمجھ لینا چاہیے، کہ کوئی مرض لاحق ہے۔ جس طرح غم و مسرت، خوف اور غضب کے جذبات حیات شخصی کے محافظ ہیں، اور جذبات انانیت و ہمدردی حیات عمرانی کے ضامن ہیں، اسی طرح جذبہ شہوت جنسی پر بقائے نسل کا دارومدار ہے،

[۵] اعضائے جنسی اولیہ سے مراد اُن اعضا سے ہے جنکے ساتھ اعمال توالد و تناسل براہ راست وابستہ ہیں۔ ان کے مقابل اعضائے جنسی ثانویہ وہ ہیں جو حیات جنسی میں صرف بالواسطہ معین ہوتے ہیں، مثلاً عورتوں میں پستان۔

اور اسی لحاظ سے نظام عالم کے قیام کے لیے یہ کل جذبات یکسان طور پر لازمی ہین۔

تکوین شہوت مین بڑا دخل کیمیائی تغیرات کو ہے۔ جسم کے بعض حصون مین ایک خاص طرح کے کیمیائی تغیرات واقع ہوتے ہین، جن سے ایک گاڑہی سفید رطوبت سائلہ پیدا ہوتی ہے۔ اسے منی کہتے ہین، اور یہی رطوبت گویا شہوت جنسی کا خزانہ ہوتی ہے۔ اس جذبہ کے آثار جسمی یہ ہوتے ہین:۔ تنفس گہرا اور تیز ہوجاتا ہے طبیعت مین ایک خاص طرح کا جوش یا ولولہ معلوم ہوتا ہے، آنکھون مین چمک آجاتی ہے، بدن مین ایک طرح کی سنسنی محسوس ہوتی ہے، دوران خون کی رفتار بہت تیز ہوجاتی ہے[۱]۔ آلات تناسل کی رگون مین خون بھر جانے سے مرد کے قضیب مین ایک خفیف خیزش سے لیکر انعاظ کامل تک پیدا ہوجاتا ہی جنس مقابل کے ساتھ اتحاد تناسلی کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اور یہ سب حالات اُس وقت تک قائم رہتے ہین، جبتک کہ مادہ ہیجان (یعنی منی) یا خارج نہ ہوجائے، اور یا پھر اپنے مخزن کو واپس نہ چلا جائے۔

محرکات شہوت حسب ذیل ہوتے ہین۔

---

[۱] دوران خون کی تیزی آلات جنسی تک محدود نہین رہتی، بلکہ بعض دفعہ دماغ مین گردش خون نہایت خطرناک طور پر تیز ہوجاتی ہی۔ چنانچہ طب یونانی کی بعض کتابون مین مین نے اس طرح کے واقعات دیکھے ہین، کہ عین عالم مباشرت مین، شدت دوران خون سے، مرد کی کوئی دماغی شریان پھٹ گئی ہے، جس سے فوراً اسکا دم نکل گیا ہے۔

(۱) اجتماع منی۔

جب منی کافی مقدار مین جمع ہوجاتی ہے، تو طبیعت اُسے خارج کرنا چاہتی ہے، اور اس طرح بلا کسی تحریک خارجی کے ازخود شہوت پیدا ہوتی ہے۔

(۲) وہ محسوسات، یا ان کے مماثل محسوسات، جو عمل زوجیت مین معین ہوتے ہین:

بوسہ لینا، بعض خاص اعضا کو مس کرنا، وغیرہ وہ تمام افعال جو عمل زوجیت مین معین ہوتے ہین، محرک شہوت ہوتے ہین۔ اور پھر وہ افعال بھی جو انکے مماثل ہوتے ہین۔

(۳) محسوسات شہوت انگیز کا تصور۔

محرکات (۲) کے لیے یہ ضرور نہین، کہ انسان کے سامنے واقعۃً موجود بھی ہون، بلکہ اکثر اُن کا تصور ہی شہوت انگیزی کے لیے کافی ہوتا ہے، محبوب کا تصور، اسکی صورت کا خیال، اسکی کسی ادا کی یاد، سے انسان مین خصوصاً اسکے شعور خفی (مثلاً حالت خواب) مین جسقدر تحریک شہوت ہوتی ہے، اسکا اندازہ ہر شخص اپنے ذاتی تجربہ سے کرسکتا ہے۔

اس سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا، کہ جسمانی حیثیت سے، مہیجات شہوت کا مبدا، مرکزی و محیطی، دونون ہوتا ہے، یعنی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ پہلے محسوسات وتصورات شہوت انگیز سے مراکز عصبی متاثر ہولیتے ہین، اور پھر اعضاے تناسل مین انتعاظ پیدا ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ ہوتا ہے، کہ بلا کسی تصور وادراک کی وساطت کے

عضویاتی اسباب (مثلاً اجتماعِ منی) سے پہلے اعضائے تناسل مین تحریک پیدا ہوتی ہے اور پھر مراکزِ عصبی کی طرف منتقل ہو کر شہوت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

نفسیات شہوت جنسی کے ضمن مین اس جذبہ کا اختلال خصوصیت کے ساتھ قابل غور ہے۔ یہ مسلم ہے، کہ تمام جذبات خواہ اساسی ہون یا تبعی بعض اوقات جادۂ اعتدال سے منحرف ہو جاتے ہین، لیکن علی العموم ان کی حالت اختلال مین صرف ان کے وسایل و وسائط مین تغیر ہو جاتا ہے ورنہ انکا مطمح نظر، ان کا مقصود اصلی، بدستور قائم رہتا ہے۔ بہ خلاف اسکے جبلت شہوانی کے اختلال مین ذرایع و طرقِ عمل کے اختلال کے ساتھ، اسکا مقصد اصلی بھی فوت ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جذبۂ شہوت کی اصل غرض، افزائش نسل ہی، لیکن یہی وہ مقصد ہے جو اتحادِ تناسلی کی تمام غیر فطری صورتون (مثلاً اغلام) مین باطل ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ کی تشریح و توجیہ علماء نفسیات کے فرائض مین داخل ہے، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے، کہ اس عقدہ کا کوئی تشفی بخش حل اب تک نہین ہو سکا ہے۔ تاہم اختلال شہوت کے بعض اسباب، جو کثیر الوقوع ہین، درج ذیل کیے جاتے ہین :—

(۱) اعضائے تناسل کی ساخت مین فتور۔

جس طرح عام آلات حواس کے مریض، یا ناقص ہونے سے انسان کے مدرکات ناقص و غیر صحیح ہو جاتے ہین، اسی طرح اعضائے تناسل کے مریض

یا ناقص ہونے سے جذبہ شہوت بھی ناقص و غیر فطری صورتین اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ بعض جنسی امراض (مثلاً جنون زوجیت[۱]) کے متعلق طبی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے، کہ ان کا سبب بعض اعضائے تناسل کی ساخت کا فتور ہوتا ہے۔

(۲) جدت پسندی و تخیل۔

ایجاد و اجتہاد کی وہ قوت جو فطرتاً ہر انسان مین ودیعت ہے، اور جسکی بنا پر بڑے بڑے مجتہدین، موجدین، و مخترعین، پیدا ہوتے ہین جب جذبات کی طرف منعطف ہو جاتی ہے، تو انسان جذبات کے فطری راستہ کو چھوڑ کر انکی غیر فطری شکلون کی جانب جھک پڑتا ہے۔

(۳) طبعی اختلال شہوت۔

حیات حیوانی کا ایک طبعی اقتضا (جو بجائے خود محتاج تشریح ہے) یہ ہے، کہ جب ایک ہی جنس کے افراد، جنس مقابل سے علیحدہ ہو کر کافی عرصہ تک یکجا رہتے ہین، تو انکی جبلت شہوانی مین اختلال عارض ہو جاتا ہے، اور ان مین اپنے ہمجنسون کے ساتھ اتحاد تناسلی کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ عرصہ ہوا کہ پیرس مین امتحان و اختبار کی غرض سے بہت سے نر حیوانات کو ایک احاطہ کے اندر بند کر دیا گیا، اور کچھ عرصہ کے بعد اُنمین

[۱] جنون کی وہ قسم جسمین عورت کو ہر روز ایک نئے مرد سے صحبت کی خواہش ہوتی ہے۔

باہمدگر اتحاد تناسلی کی خواہش پیدا ہوگئی۔ جیلخانون، اسکولون، بورڈنگ ہوسون وغیرہ مین، جہان صرف ایک ہی جنس کے افراد یکجا رہتے ہین، شہوت رانی کے غیر فطری طریقے، جو اس کثرت سے استعمال مین لائے جاتے ہین، وہ اسی قانون کا نتیجہ ہین۔

اسی سلسلہ مین اُس مشہور و معروف جذبہ کی ماہیت نفسی بھی مختصر الفاظ مین بیان کرنا ہے، جسے **عشق** سے موسوم کیا جاتا ہے۔ عشق کی لوگون نے عجیب عجیب تعریفات کی ہین، لیکن نفوس بشری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ عشق، جذبۂ شہوت ہی کی ایک خاص شکل کا نام ہے۔ عشق کے جسقدر واقعات و نظائر آج پیش کیے جا رہے ہین، وہ گو بظاہر باہم کتنے ہی مختلف معلوم ہوتے ہون، لیکن تحلیل و تجزیہ کے بعد معلوم ہوگا، کہ وہ سب اسی جذبۂ شہوت پر آکر ٹھہرتے ہین۔ مرد مین اتحاد تناسلی کی خواہش جبتک کسی خاص عورت کے ساتھ وابستہ نہین ہوتی، شہوت کہلاتی ہے، لیکن جب یہ خواہش کسی خاص عورت کے ساتھ مختص ہوجاتی ہے، اور ساتھ ہی معمولی و عام حدود سے زیادہ قوی ہوجاتی ہے، یعنی اُس خاص محبوب کے ساتھ خواہش وصال نہ پوری ہونے سے انسان کو انتہائی تکلیف و بیچینی ہوتی ہے، اور اس آرزو کو پورا کرنے کے لیے انسان ہر طرح کی نفس کشی، ہر طرح کے ابتلاے مصائب پر تیار ہوجاتا ہے، تو اسی جذبہ کو عشق سے تعبیر کرتے ہین۔ عاشق صرف ایک کو چاہتا ہے، لیکن

شہوت ران مرد کی آتش ہوس، ہر عورت بجھا سکتی ہے۔

عشق کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ اسکے جواب مین حکما کے مختلف مذاہب پیدا ہوگئے ہین جن مین سے دو یہان خاص طور پر قابل ذکر ہین۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے، کہ ہر نوجوان مرد او نوجوان عورت مین (بشرطیکہ ان مین سے کسی کی صورت یا صحت مین کوئی خاص نقص نہ ہو) معاشقہ کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، لیکن چونکہ انھین سوسائٹی کے جکڑ بند سے اس خواہش مخفی کے اظہار و اعلان کا پورا موقع نہین دیا جاتا، اسلیے یہ آتش زیر خاکستر رہتی ہے لیکن جب انھین باہم ملنے جلنے، اور ایک دوسرے کی صحبت سے حظ اٹھانے کے کافی مواقع دیے جاتے ہین، تو یہ شعلہ بھڑک اٹھتا ہے، اور ہر مرد یا عورت کو اپنے ہم جلیس جنس مقابل کے ساتھ عشق پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ اسکے برخلاف یہ کہتا ہے، کہ فطرت نے کسی شخص کو مفرد محض نہین پیدا کیا ہے، بلکہ ہر شخص کا ایک ایک روحانی عکس یا مثنیٰ بھی پیدا کیا ہے، جسکے ساتھ اس شخص کو بیحد موانست و دلبستگی ہوتی ہے، مگر دنیا مین عموماً یہ ہوتا ہے، کہ یہ دونون یکجا نہین ہوتے (مثلاً زید ہندوستان مین ہے، تو اسکی فطری مثنیٰ عورت امریکا مین ہی) اسلیے ایک دوسرے سے لاعلم رہتے ہین، اور لاعلمی کی حالت مین ظاہر ہی کہ عشق نہین پیدا ہو سکتا ہی۔ البتہ بعض مرتبہ جب حسن اتفاق سے یہ دونون ایک دوسرے کے سامنے آجاتے ہین، تو ان کے دلون مین فوراً ہی سچا عشق موج زن

ہوجاتا ہے" اور تکوین عشق کے لیے کسی ہمنشینی یا ہمکلامی کی حاجت نہین رہتی، بلکہ صرف ایک فوری نظر کافی ہے۔

مولف ہذا کے نزدیک ہر دو فریق اپنی اپنی جگہ حق بجانب ہین، لیکن دونون نظریات یکسان ناقص و یکطرفہ ہین۔ تاریخ و تجربہ نے عاشقی کے صدہا واقعات کا جو ذخیرہ فراہم کردیا ہے، اُس مین دونون طرح کی مثالین ملتی ہین اور بہ کثرت ملتی ہین۔ ایک طرف تو ہم اسی ملک مین اپنے چارون طرف یہ مشاہدہ کرتے ہین، کہ ایک لڑکا ایک لڑکی سے مطلق ناآشنا ہی، نہ کبھی بات چیت ہوئی، نہ کبھی صورت دیکھی نہ کبھی نامہ و پیام رہا، غرض ایک کا وجود دوسرے کے لیے عدم محض ہی۔ والدین نے بغیر فریقین سے استمزاج کیے، دونون کی شادی کردی۔ دونون ملتے ہین، اور ہم دیکھتے ہین، کہ تھوڑی ہی مدت کی ہمنشینی و ہمصحبتی کے بعد دونون مین محبت اس حد بڑھ جاتی ہی، کہ ایک دن کی مفارقت بھی شاق گذرتی ہے، اور یہ وہ مرتبہ ہی جسکے ڈانڈے عشق کی سرحد سے بالکل ملے ہوے ہین پھر یہ حالت اُس وقت تک قائم رہتی ہے، جبتک فریقین مین جذبۂ شہوت، جو اس محبت کا مبدأ اصلی ہی، باقی ہی، لیکن جب کبرسنی یا اور کسی سبب سے شہوت جنسی مین زوال آجاتا ہے، تو محبت کا چشمہ بھی خشک ہوجاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا، کہ عشق کی تکوین مین، طرفین کی عہد شباب کی یکجائی کو دخل عظیم ہے۔ اسی کے ساتھ دوسری طرف اس طرح کے نظائر کا بھی قحط نہین، کہ بلا کسی طرح کے تعلق سابق کے، محض نظر پڑتے ہی ایک شخص دوسرے پر

عاشق ہوگیا، جسکی توجیہ بجز اس نظریہ کے اور کسی بنا پر نہین ہو سکتی، کہ بعض افراد مین فطرتاً ایک دوسرے کے ساتھ، ایک غیر معمولی کشش و اُنس کا مادہ ودیعت ہوتا ہی، جو پہلی ہی نظر پر یکایک چمک اُٹھتا ہے۔ چنانچہ فرہاد، مجنون، وغیرہ مشہور عشاق عالم کا عشق اسی قبیل سے تھا۔

اس سے نتیجہ یہ نکلا، کہ کسی فریق کا کسی ایک ہی تھیوری پر تمامتر زور دینا خلاف انصاف ہی۔ البتہ اسقدر تسلیم کرنا چاہیے، کہ جو عشق پہلے طریقہ سے یعنی طویل یکجائی کے بعد بتدریج پیدا ہوتا ہے، وہ تدریجاً ایک مدت مین زائل بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جو عشق کہ دوسرے طریقہ پر یعنی فوری و اضطراری طور پر بہ یک نظر پیدا ہو جاتا ہے، اسکا دفعیہ معمولی و عام تدابیر سے نہین بلکہ اسی کے مثل نفس کی کسی انقلابی گردش ہی سے ہو سکتا ہے۔

باب (۱۳)

اختلال جذبات

اگر یہ سچ ہے، کہ منطق کا علم نامکمل ہے، جبتک صحیح اصول استدلال کے ساتھ انسان مغالطات سے بھی نہ واقف ہو۔ اور اگر یہ صحیح ہے، کہ طب کی تحصیل ادھوری ہی، جبتک اصول حفظان صحت کے ساتھ امراض کی ماہیت بھی نہ بیان کیجائے۔ تو یہ بھی سچ ہے، کہ نفسیات جذبات کی بحث ناتمام رہجائیگی، تاوقتیکہ صحت جذبات کے ساتھ اختلال جذبات پر بھی روشنی نہ ڈالی جائے۔ پس نفسیات جذبات کے تکملہ کے لیے لازمی ہی کہ باب ہذا مین جذبات کے مرض و عدم صحت پر بحث کی جائے۔

اس سلسلہ مین سب سے پہلے دیکھنے کی یہ بات ہی، کہ اختلال جذبہ کی تعریف کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسی چیزون کی کوئی منطقی تعریف نہین پیش کی جا سکتی، بلکہ ان کے صرف اس عام مفہوم کو بتا دینا کافی ہوتا ہے، جو عموماً لوگون کے ذہن مین موجود ہوتا ہے۔ پس اس اصول کی بنا پر مفہوم عام مین، جو جذبات جس طرح معمولاً

واوسطاً تمام افراد پر طاری ہوتے رہتے ہین وہ جذبہ کی حالت صحت کی مثالین قرار دیے جاتے ہین، اور جب اس معمولی روش مین کسی حیثیت سے بھی فرق پڑجاتا ہی تو وہ اختلال جذبہ کی ایک صورت کہی جاتی ہے - گویا تکوین جذبہ کی عام روش سے انحراف کا نام اختلال جذبہ ہے - یہ تشریح عام اذہان کے مطابق تھی - اگر منطقی حیثیت سے نظر کیجیے، تو ملحوظ خاطر رہے، کہ اختلال ضد ہی صحت کی - پس جو خصایص جذبات صحیحہ، مین پائے جاتے ہین اسکے مخالف خصایص " جذبات مرضیہ" مین پائے جائینگے - جذبہ کا خاصہ وحید، جیسا کہ ہم کسی پچھلے باب مین بتا آئے ہین، یہ ہی کہ وہ صیانت حیات مین معین ہوتا ہے، پس جو جذبہ بقاے حیات مین معین نہ ہو اور صیانت حیات کے حق مین مفید نہ پڑے، وہ اپنی صحیح حالت مین نہین، بلکہ اسکی تشکیل مین اختلال واقع ہو گیا ہے -

اختلال جذبہ کی کتنی صورتین ممکن ہین ؟ اسکے جواب کے لیے ہمین جذبہ کی تشکیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے - اسلیے کہ تشکیل جذبہ کے جسقدر عناصر ترکیبی ہون گے، اتنی ہی صورتین اختلال جذبہ کی بھی ہو سکتی ہین تشکیل جذبہ سے متعلق ہمین معلوم ہو چکا ہے کہ

(۱) کیفیت وقوفی کیفیت احساسی پر مقدم ہوتی ہی یعنی پہلے کسی شی کی اطلاع ہو لیتی ہے، اسکے بعد حظ یا الم کی کیفیت طاری ہوتی ہے -

(۲) جذبہ کے متلازم آثار جسمانی ایک خاص صورت مین اور ایک معین وقت تک

طاری ہوتے رہتے ہین۔

(۳) جذبہ ہمیشہ مہیج کے تناسب ہوتا ہے۔

اشکال بالا کی مطابقت مین اختلال جذبہ کی بھی حسب ذیل صورتین ہوسکتی مین:

(۱) بجاے کیفیت وقونی کے، کیفیت احساسی پہلے واقع ہو۔

(۲) جذبہ کے آثار جسمانی اپنی عام روش کو چھوڑکر غیر معمولی قوت یا ضعف کے ساتھ ظاہر ہون۔

(۳) مہیج اور جذبہ کے درمیان تناسب نہ قائم رہے، اور اسکی بجاے خود دو صورتین ہین، یعنی

(الف) یا تو معمولی مہیج پر غیر معمولی جذبہ مترتب ہو۔

(ب) یا غیر معمولی مہیج پر محض معمولی جذبہ طاری ہو۔

ذیل مین ان تمام صورتون کی مثالین علیحدہ علیحدہ درج کیجاتی ہین۔

(۱) صحیح و فطری حالت مین جذبہ کی تشکیل یون ہوتی ہے، کہ پہلے کسی مہیج کے علم و اطلاع سے نفس مین ایک کیفیت وقوفی پیدا ہوتی ہے، اسکے بعد یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو کچھ آثار جسمی طاری ہوتے ہین، اور دوسری جانب انبساط یا انقباض کی کسی کیفیت احساسی کی تکوین ہوتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کا مال چوری جاتا ہے، پہلے اُسے اس واقعہ کی اطلاع ہوتی ہے، (یہ ایک وقوفی کیفیت ہوئی) پھر اسکے بعد اُس پر غم و الم کی کیفیت طاری ہوتی ہے (یہ ایک احساسی کیفیت ہے)۔

لیکن اختلال جذبہ مین یہ ترکیب منعکوس ہوجاتی ہے یعنی پہلے خواہ مخواہ انبساط یا
انقباض پیدا ہوتا ہے، اسکے بعد آدمی اسکی ایک فرضی وجہ اختراع کرلیتا ہے، جو گویا
اسی احساس کی مطابقت مین اسکی کیفیت و توفی ہوتی ہے مین نے ایک فاترالعقل
شخص کو دیکھا، کہ اُس مین خود بخود اندوہ والم کا احساس پیدا ہوا، پھر رفتہ رفتہ اسے
یہ وہم پیدا ہوا کہ اُسکا فرضی عظیم الشان خزانہ چوری ہوگیا، اور اسکے بعد سے وہ اسی کو
اپنی مستمر اُداسی وافسردگی کا سبب ظاہر کرتا تھا۔ خود تمھاری نظر سے امراض دماغی
کے بعض مریض گذرے ہونگے، جو ایک دائمی یاس، ندامت وحسرت کے جذبہ
سے متالم رہا کرتے ہین، ہر وقت آہ سرد بھرا کرتے ہین، اور اپنے تئین ہر طرح کی
سرزنش وعقوبت کا مستحق سمجھتے ہین۔ ان لوگون سے اگر اسکا سبب دریافت کرو،
تو بیان کرینگے، کہ وہ کوئی اتنا بڑا جرم یا گناہ کرچکے ہین، جو کسی حالت مین معاف
نہین ہوسکتا، حالانکہ واقعۃً یہ لوگ محض معصوم ہوتے ہین۔ البتہ پہلے ان مین حسرت
و یاس کی کیفیت از خود پیدا ہوتی ہے، اور پھر اسکے لیے کوئی نہ کوئی سبب اختراع
کرلیتے ہین۔ اختلال جذبہ کی یہ صورت فاترالعقل اور مجنون اشخاص مین بہت عام ہی۔

(۲) جذبہ کی تکوین کے وقت انسان پر کچھ آثار جسمانی ضرور طاری ہوتے
ہین، جو ایک خاص قوت کے ساتھ ایک خاص مدت تک قائم رہتے ہین۔ یہ
ایک عام قاعدہ ہے۔ اس سے انحراف کی ممکن صورتین دو ہین۔ ایک یہ کہ
احساس کی باطنی کیفیت تو پوری قوت کے ساتھ موجود ہو، لیکن مظاہر جسمانی کے

ذریعہ سے اسکا اظہار نہ ہونے دیا جائے۔ مگر چونکہ ہماری عام معاشری زندگی مین اسے اختلال جذبہ سے تعبیر نہین کیا جاتا، بلکہ عضلات پر اسقدر قابو حاصل کرلینا ایک خاص وصف سمجھا جاتا ہے، اس لیے یہ شق یہان خارج از بحث ہے۔

دوسرے یہ کہ احساس کی باطنی کیفیت تو بہت معمولی درجہ کی ہو، لیکن مظاہر جسمانی کے ذریعہ سے اسکا اظہار بہت زور و شور سے کیا جائے۔ یہ اختلال جذبہ کی ایک مسلم صورت ہے۔ اکثر آدمیون کو دیکھا ہوگا کہ اُن مین غصہ بہت ہی معمولی ہے، لیکن اسکا اظہار وہ نہایت ہی غضبناک چہرہ اور خشمگین شکل سے کرتے ہین؛ یا انھین کسی بات پر بہت خفیف رنج ہے، لیکن چہرہ کی غمگینی، مسلسل اشک افشانی، اور متواتر دم سرد سے وہ اسکی غیر معمولی قوت کا اظہار کرتے ہین؛ اور یا انھین مسرت وانبساط کا برائے نام احساس ہو رہا ہے، لیکن وہ اپنی حرکات و سکنات سے اسکو شدید مبالغہ کے ساتھ ظاہر کر رہے ہین۔ جذبہ کے عناصر دوگانہ یعنی کیفیات احساسی اور آثار جسمانی کے درمیان یہ عدم تناسب گو بعض صورتون مین بہ تصنع پیدا کرلینا بھی ممکن ہے، لیکن عموماً قدرتی ہوتا ہے، اور اختلال جذبہ کی ایک یقینی صنف ہے۔

(۳) مہیج اور جذبہ کے درمیان عدم تناسب۔ اسکی دو صورتین ہین:-

(الف) اولاً یہ کہ محرک موجود ہو، لیکن جذبہ کی تکوین نہایت ضعیف و ناکمل صورت مین ہو یا بالکل نہ ہو۔ فقدان حس کے مریضون مین یہ بالعموم مشاہدہ کیا جاتا ہے

کہ وہ کسی محرک سے متاثر نہیں ہوتے۔ سخت سے سخت مضحک سخت سے سخت مخوف سخت سے سخت دردانگیز واقعہ ان کے سامنے پیش آئے، لیکن ہنسی، خوف، اور غم کا نشانیہ تک ان مین نہ پیدا ہوگا۔ یہ بھی حیات جذبی کے اختلال کی یقینی علامت ہی

(ب) ثانیاً یہ کہ معمولی محرک پر جذبہ کی تشکیل غیرمعمولی شدت و قوت کے ساتھ ہو جن لوگون پر یہ حالت طاری ہوتی ہی وہ مغلوب الجذبات کہلاتے ہین اپنی توہین کرنے والے سے ناخوش سبھی ہوتے ہین لیکن مغلوب الغضب اسکی جان کے درپے ہوجاتا ہے۔ اُستاد کی سرزنش سے ڈرتا ہر طالب علم ہی لیکن مغلوب الخوف کا پیشاب خطا ہوجاتا ہی حسین عورت کی شکل ہر نوجوان مرد کو مرغوب ہوتی ہی لیکن مغلوب الشہوت فوراً اسکی عصمت دری پر آمادہ ہوجاتا ہی۔ یہ سب اختلال جذبات کی مثالین ہین۔

اشکال بالا کے علاوہ صحت جذبہ کے لیے ضروری ہے کہ مہیج اصلی و واقعی ہو یعنی اگر کوئی شخص بجاے کسی واقعی مہیج کے، فرضی مہیج سے متاثر ہوگا، تو اسکا جذبہ بھی مغالطہ پر مبنی ہوگا۔ پھر چونکہ جذبہ کی تکوین ادراک مہیج پر منحصر و مشروط ہی اسلیے مہیج کا غلط ادراک بداہۃً جذبہ کی غلط تکوین کا باعث ہوتا ہے اور اگر ادراک مہیج کی تصحیح ہوجائے، تو جذبہ کی بھی تصحیح ہوجاتی ہی۔ ایک راہ گیر شب تار میں کہین جارہا ہے، کہ دفعتہً اُسے سڑک کے کنارے کوئی شخص شمشیر بکف نظر آتا ہی۔ یہ دیکھتے ہی وہ فرط خوف سے چیخ اٹھتا ہی لیکن ایک ذرا دیر مین بہ تامل نگاہ کرنے سے اُسے معلوم ہوتا ہے، کہ محض التباس نظر تھا، جس شے کو وہ آدمی سمجھ رہا تھا، وہ دراصل صرف

ایک درخت ہے، اور جو شے اُسے شمشیر برہنہ نظر آرہی تھی وہ اسی درخت کی ایک شاخ ہے۔ اب ادراک کی تصحیح کے ساتھ جذبہ کی بھی تصحیح ہوگئی یعنی خوف رفع ہوگیا۔ اس طرح کی مثالون کو درحقیقت، بجاے اختلال جذبہ کے، جذبہ کی غلطی کہنا زیادہ موزون ہے۔ لیکن یہان ہم نے اختلال جذبہ کے زیرعنوان اُنھین اس لیے رکھا کہ حالت جنون مین، انسان جذبہ کی ان غلطیون مین ہنگامی و اتفاقی طور پر نہین بلکہ دائمی و مستقل طور پر مبتلا رہتا ہے (جسکا باعث یہ ہے کہ اسکے حواس و قواے مُدرکہ مین مستقل طور پر فتور عارض ہوجاتا ہے) اور اس لحاظ سے اُنھین عام روش سے منحرف جذبات کے تحت مین مستقلاً جگہ دینا چاہیے۔

ضمیمہ

فرہنگ مصطلحات

اور

ضمناً وضع مصطلحات کے کچھ عام اصول

اس رسالہ کے لکھنے کے لیے جب مین نے قلم اُٹھایا۔ تو جو سب سے بڑی دقت راستہ مین حایل ہوتی تھی، وہ یہ تھی کہ نفسیات کے ان مفاہیم کو اُردو مین ادا کرنے کے لیے اصطلاحات کہان سے لاؤنگا؟ اگر اُردو مین پیشتر سے کوئی کتاب اس موضوع پر موجود ہوتی، تو میرے کام مین یقیناً بہت سہولت پیدا ہو جاتی، لیکن مشکل یہ تھی کہ مجھے صرف سفر ہی کرنا نہ تھا، بلکہ اپنے ہاتھ سے سڑک بھی بنانی تھی[1]۔ اس کوشش مین کہان تک کامیابی ہوئی؟ اسکا فیصلہ میرے آپ کے بس کا نہین، اسکا فیصلہ

[1] مجھ سے میرے ایک عنایت فرمانے جو کئی پرچون کے اڈیٹر رہ چکے ہین، ایک مرتبہ بیان کیا کہ پنجاب مین علم النفس پر دو رسالے اُردو مین شایع ہو چکے ہین۔ لیکن مجھے حیرت کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے، کہ مجھے وہ کسی طرح دستیاب نہ ہو سکے، نہ کبھی اُن کے مصنف یا خود ان کے نام پر اطلاع ہوئی۔

صرف زمانہ کرسکتا ہے۔ اگر یہ مجوزہ الفاظ اُردو مین چل پڑے، اور زبان نے انھین قبول کرلیا، تو میری محنت ٹھکانے لگ گئی۔ ورنہ میری تسلی کے لیے یہ خیال کچھ کم نہین کہ مین نے ایک اہم ترین فرض کے انجام دینے کی تا حد امکان کوشش کی، اور اگر اس راہ مین ناکام رہا، تو یہ وہ ناکامی ہے، جس پر ہزارون کامیابیان قربان ہین۔

وضع اصطلاحات علمیہ اُردو کی شدید ترین ضرورت، اور عظیم الشان اہمیت پر سب متفق ہین، لیکن طریق وضع کے متعلق دو گروہ پیدا ہو گئے ہین۔ ایک گروہ کثیر کا، جس مین ہماری قوم کے بعض اکابر فضلا شامل ہین، یہ خیال ہے کہ ہمین پہلے مصطلحات علمیہ کا ایک مبسوط لغت تیار کرلینا چاہیے، پھر اسکے بعد اسکی پابندی تمام مصنفین کو کرنا چاہیے، چنانچہ اس جماعت کی طرف سے ترتیب لغت مصطلحات کے متعلق بارہا اشتہارات دیے گئے، گو وہ بے نتیجہ ہے۔ دوسری طرف کچھ لوگ اسکی مخالفت مین یہ کہتے ہین، کہ ہمین مضامین علمی کی تصنیف و تالیف کا کام بلا تامل شروع کردینا چاہیے، اور اثنا تالیف مین جو خاص خاص مفاہیم آتے جائین، ان کے لیے حسب موقع اصطلاحات تراشتے جائین، یہان تک کہ اس طریقہ سے کچھ عرصہ مین ایک مفہوم کے ادا کرنے کے لیے ہماری زبان مین متعدد مصطلحات موجود ہو جائینگے۔ اب اُن پر قانون انتخاب طبعی کا عمل شروع ہوگا، یعنی زبان کی رفتار ارتقائی کے ساتھ، جو الفاظ ناقص ہون گے، وہ متروک ہوتے جائینگے، اور جو موزون ہونگے، وہ بقائے اصلح کے قاعدہ سے ازخود باقی و قائم رہجائینگے۔

مین ہمیشہ سے اس شانی الذکر جماعت کا مؤید رہا ہون اسلیے کہ ارتقاء لسانی کی یہ بالکل فطری ترتیب ہی کہ پہلے علوم و فنون کی تدوین و ترویج ہو اسکے بعد موقع محل وغیرہ کو ملحوظ رکھکر جو جو مصطلحات استعمال کیے گئے ہون انھین یکجا کر دیا جائے اس ترتیب کو اُلٹ دینا اسی قبیل کی خطرناک غلطی کرنا ہے جس مین ہمارے عربی مدرسین عرصہ سے مبتلا ہین۔ یہ لوگ یہ چاہتے ہین کہ طلبہ پہلے صرف و نحو حاصل کرلین۔ اسکے بعد ادب و زبان پر متوجہ ہون لیکن یہ لسانیات کے اس نکتہ کو بھولے ہوے ہین کہ صرف و نحو کے قواعد تو خود ادب و زبان مروجہ سے مستنبط کیے جاتے ہین۔ نہ یہ کہ پیشتر یہ مدون ہولین تب بچہ بات چیت کرنا سیکھے۔ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ مین اسکی نظیر نہین ملتی کہ پہلے فہرست مصطلحات تیار کرلی گئی ہو اسکے بعد علوم و فنون کی تدوین ہو۔ اور ایسا ہونا ممکن بھی کسطرح ہے، جبکہ علوم و فنون کی ترقی اور نشو و نما کے ساتھ روز نئے اصطلاحات پیدا ہوتے رہتے ہین؟

بہتر صورت یہ ہے کہ خود ہماری قوم مین مجتہدین و محققین فن پیدا ہون، جو اپنی بلند پایہ تحقیقات کو اپنی زبان مین شایع کرین۔ نتیجہ یہ ہوگا، کہ کچھ عرصہ مین لوگ ان کے مقرر کردہ الفاظ و اصطلاحات کے خوگر ہو جائینگے، اونھین بلا تکلف استعمال کرنا شروع کر دینگے اور اس طرح زبان مین بھی اصطلاحات بہ آسانی رائج ہو جائینگے اور وضع اصطلاحات نئے کے مسئلہ کا نہایت صاف

وسیع حل از خود ہو جائے گا۔ اسکی نہایت واضح مثال ہمین روسی زبان مین ملتی ہے۔ انیسوین صدی کے ربع ثالث تک روسی زبان نہایت مفلس تھی، اور علمی مفاہیم کو ادا کرنے کے ناقابل خیال کیجاتی تھی چنانچہ روسی سائنس والون کو اپنے مضامین وتصانیف کے لیے عموماً جرمن زبان کا دست نگر ہونا پڑتا تھا لیکن گذشتہ صدی کے ربع آخر مین جب سرزمین روس سے پروفیسر منڈلف وغیرہ علماء سائنس اُٹھے، تو انھون نے اپنی تحقیقات کو اپنی ہی زبان مین شایع کرنا شروع کیا، نتیجہ یہ ہوا، کہ تھوڑے ہی عرصہ مین اہل روس نہ صرف دوسرون کی دریوزہ گری سے مستغنی ہو گئے، بلکہ آج جو لوگ موجودہ سائنٹفک لٹریچر پر ایک وسیع نظر رکھنا چاہتے ہین، ان کے لیے انگریزی، جرمن، اور فرنچ کے ساتھ ساتھ روسی زبان کی تحصیل بھی ناگزیر ہو گئی ہے۔ دوسری مثال جاپان کی ہے۔ ابھی کل کی بات ہی کہ جاپانی زبان کسی شمار قطار مین نہ تھی، لیکن جس روز سے جاپانیون نے اپنی ہی زبان مین ہر قسم کے علمی مفاہیم کو ادا کرنے کا عزم کر لیا ہے، اسوقت سے وہان بھی دقیق سے دقیق مطالب شایع ہونے لگے ہین اور آج دیکھتے دیکھتے جاپانی زبان کا خزانہ مالامال ہو گیا ہے۔

لیکن اگر کسی قوم کی شور بختی سے اُس مین محققین ومجتہدین فن کا قحط ہو، اور ان کے بجاے صرف مترجمین، شارحین وملخصین موجود ہون، تو بھی اس مسئلہ پر کوئی اثر نہین پڑتا۔ انھین کوئی وجہ نہین ہے، کہ یہ ترجمہ، تشریح وتلخیص کا

کام فی الفور نہ شروع کر دین اور تدوین لغت مصطلحات کا راستہ دیکھتے رہین۔
خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین جب مسلمانون مین علمی بیداری پھیلی، تو گو
اس وقت اُن مین ارسطو و افلاطون نہ تھے لیکن ایسے لوگ تھے جو ان کے
خیالات و عقاید سے اپنے ہم مذہبون کو واقف و مطلع کر سکتے تھے (مثلاً یعقوب کندی،
حنین بن اسحٰق و غیرہ) پس انھون نے بجاے تدوین لغت کی لاحاصل
کوشش مین وقت صرف کرنے کے اپنی توجہ تمام تر ترجمہ تلخیص و تشریح
پر منعطف رکھی، اور دنیا نے دیکھ لیا، کہ وہ کتنے کامیاب رہے۔
اس سے قریب تر مثال ہمارے بنگالی ہم وطنون کی ہے۔ یہ لوگ
نہایت مستعدی سے یوروپین علوم و فنون کو اپنی زبان مین برابر
منتقل کرتے جاتے ہین۔ اور تدوین لغت مصطلحات کو ہمیشہ اس سے
موخر سمجھتے ہین۔

غرض مین نے جہان تک غور کیا، اس امر کی کوئی وجہ نہ پائی، کہ
تصنیف و تالیف کو تدوین لغت مصطلحات تک ملتوی رکھا جائے۔
چنانچہ یہی سوچ کر مین نے اس کام مین ہاتھ لگا دیا۔ ساتھ ہی اثناے
تحریر مین جو اصطلاحات آتے گئے، ان کی ایک فرہنگ یہان دیے
دیتا ہون، اور میرے نزدیک اگر علوم جدیدہ پر لکھنے والا یہی طریقہ اختیار
کرتا رہے، تو کچھ عرصہ مین مصطلحات علمیہ کا پورا ذخیرہ ہماری زبان مین موجود

ہو جائے گا۔ البتہ آیندہ مصنفین سے یہ امید ضرور رکھتا ہون کہ وہ بلا ضرورت نئے اصطلاحات نہ تراشینگے کہ اس سے لوگون کو خواہ مخواہ اُلجھن پیدا ہوگی، ہان جہان انھین مصطلحات سابقہ مین کوئی نقص نظر آئے وہان ان مین ترمیم کرنا بلاشبہ ان کا فرض ہوگا۔

اردو مین مصطلحات قائم کرنے والے کے لیے سب سے اہم و مقدم شرط یہ ہے، کہ جن علوم و فنون کو اردو مین لانا مقصود ہے، اُن پر پورا عبور رکھتا ہو، تاکہ جو اصطلاحات علوم جدیدہ مین مروج ہین، ان کے مفہوم حقیقی اور پھر لٹریچر مین جو ان کے مختلف مفاہیم شایع ہوگئے ہین، ان کے نازک فروق کو بخوبی سمجھ سکے، ورنہ سخت خطرناک غلط فہمیون مین مبتلا ہوگا، اور دوسرون کو بھی گمراہ کریگا۔ اسی کے ساتھ اسکو عربی زبان سے بھی بقدر ضرورت واقف ہونا چاہیے، کہ اکثر مصطلحات عربی ہی سے ماخوذ ہون گے۔ اور پھر اُسے اردو کا بھی اتنا صحیح مذاق ہونا چاہیے، کہ مانوس اور زبان پر چڑھ جانے والے الفاظ کو غیر مانوس اور ذہن کو وحشت دلانے والے الفاظ سے ممتاز کر سکے۔ ان شرائط کی جامعیت گو ایسی دشوار تو نہین لیکن اپنی قوم سے ذوق علمی کے اس فقدان پر ماتم کیجیے کہ مجھے تمام ہندوستان مین ایک شخص بھی ایسا نظر نہ آیا، جس مین اسکی پوری اہلیت موجود ہو۔ ادھر مین خود اپنی کمزوریون سے بھی ناواقف نہ تھا۔ دوسرون سے استشارہ و استصواب لینے ناگزیر تھا،

چنانچہ بعض حضرات سے مین واقعۃً مستفید ہوا جن کے اسمائے گرامی بصد تشکر فٹ نوٹ مین درج کیے جاتے ہین[۱]۔

فرہنگ درج کرنے سے پیشتر مین اُن چند عام اصولون کو بیان کردینا ضروری سمجھتا ہون، جن کو مین نے وضع مصطلحات مین خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے:-

(۱) مصطلحات اُردو کا ماخذ علی العموم عربی زبان ہونا چاہیے، لیکن اگر فارسی مین کوئی بہتر لفظ مل جائے، تو عربی کو خواہ مخواہ ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہین۔

[۱] یون تو ملک کے جس ذی علم شخص سے مجھے نیاز حاصل ہوا، مین نے اس باب مین گفتگو کی، لیکن چند اصحاب کی خدمت مین مین نے اپنی مکمل فہرست مصطلحات مجوزہ بغرض حصول لرائے بھیج دی تھی، اُن مین سے حضرات ذیل نے میرے معروضات پر کافی توجہ فرمائی :-

(۱) مولانا حمید الدین بی۔ اے، پروفیسر عربی لٹریچر (الہ آباد)

(۲) مولانا سید کرامت حسین بیرسٹر ایٹ لا، و سابق جج ہائیکورٹ الہ آباد۔

(۳) مولوی عبد الحق بی۔ اے، سکرٹری انجمن ترقی اُردو و صدر مہتمم تعلیمات (حیدر آباد)

(۴) خان بہادر سید اکبر حسین اکبر (جہان تک زبان کا تعلق ہے)

حضرات موسومۂ بالا کے علاوہ مین نے مولوی وحید الدین سلیم (اڈیٹر معارف و مسلم گزٹ وغیرہ) کے بعض مشورون کو بھی بہت مفید پایا۔

(۲) صرف اتنا کافی نہین کہ اُردو مین انگریزی لفاظ کا محض عام مفہوم (Sense) آجائے، بلکہ حتی الامکان اسکی کوشش کرنا چاہیے، کہ ہماری اصطلاح بھی اپنے اندر وہ تمام فروق مفاہیم (Shades of meaning)، اور وہ تمام دلالتہاے التزامی (Associations) رکھتی ہو، جو انگریزی اصطلاح رکھتی ہے اس کوشش مین پوری کامیابی تو محال ہے، لیکن حتی الامکان ہمین اسکی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

(۳) اصطلاحات عموماً ایسے ہونا چاہیین، جن سے انکے مشتقات بہ آسانی بن سکین۔

(۴) جہان تک ممکن ہو، مختلف مفاہیم کو ایک لفظ سے نہ ادا کرنا چاہیے، کہ اس سے خواہ مخواہ التباس پیدا ہوگا۔ سیاق وسباق کلام سے بے شبہ التباس رفع ہوجاتا ہے، لیکن اس کا موقع ہی کیون آنے دیا جائے، کہ التباس پیدا ہو۔

(۵) اشتقاق وترکیب مین حتی الامکان اُس زبان کے قواعد کو ملحوظ رکھنا چاہیے، جس سے ہماری اصطلاح آئی ہے۔ لیکن اگر اس سے دو مختلف مفاہیم مین التباس پیدا ہوتا ہو، یا اور کوئی خرابی واقع ہوتی ہو، تو کچھ ضرور نہین کہ اس زبان کی خواہ مخواہ پابندی کی جائے۔ ایسے مواقع پر ہمین صرف اُردو کے طریقۂ اشتقاق وترکیب کی پابندی ضروری ہے۔ مثلاً (Psychology) کے لیے

ہم نے لفظ "نفسیات" لکھا، اب اسکی صفت بتاتے وقت عربی قواعد کا فتویٰ یہ ہے، کہ جمع تصحیح کی "ات" کو حذف کرکے "نفسی" بنے دین، لیکن دراصل نفسی صفت ہوگی "نفس" کی، حالانکہ ہمین "علم نفس" کی صفت بنانا مقصود ہے۔ اسلیے جو اصطلاح ہم نے "علم نفس" کے لیے مقرر کی ہے، اسی مین "یائے صفت" لگا دینا چاہیے۔ پس نفسیات کی صفت "نفسیاتی" بنی، جو خواہ عربی قواعد کے لحاظ سے قابل اعتراض ہو، لیکن مین سمجھتا ہون کہ اُردو مین (Psychologicial) کا مفہوم اس سے بہتر کسی دوسرے لفظ مین ادا نہین ہوتا۔ "نفسی" جو صفت ہے نفس کی، اُسے ہمین (Psychical. یا Mental) کا قائم مقام قرار دینا چاہیے[1]۔ مین جانتا ہون، کہ اس سے ہمارے زبان دانون کے جذبۂ قدامت پسندی کو سخت صدمہ پہونچیگا، اور کم علم و شورش پسند اخبار نویسون کو یقیناً اسکے اندر ایک "عظیم الشان فتنۂ لغویہ" کا خوفناک عفریت نظر آئے گا، لیکن مجھے یقین کامل ہے، کہ آج نہین مگر ایک زمانہ کے بعد ہمارے مصنفین کو اپنے اصول مین قطعاً اسقدر وسعت دینا ہوگی۔

(٦) یہ سچ ہے کہ ہر جدید اصطلاح اس وقت ہمین نامانوس معلوم ہوگی،

---

[1] اسکے علاوہ "نفسیات" اور اسی قبیل کے اسماء علوم کو جمع قرار دینا بھی صریحاً غلط ہے۔ یہ "ات" علامت جمع نہین، بلکہ دراصل "یات" (بہ یائے مشدد) ہے۔ دیکھو قاعدہ (۷) ضمن (الف) مندرجۂ متن۔

اور کچھ عرصہ کے استعمال کے بعد جب ہم اسکے خوگر ہوجائینگے تو اسکی نامانوسیت جاتی رہیگی، باانیہمہ حتی الوسع ہمین ایسے اصطلاحات تلاش کرکے مقرر کرنا چاہیے، جو نسبتاً بک مانوس، و یسیر التلفظ ہون۔

(۷) ایک نہایت ضروری شے یہ ہے، کہ انگریزی و دیگر السنۂ علمی کی طرح ہمین مختلف اصناف اسما، کے لیے مختلف سابقہ (Prefix) اور لاحقہ (Suffix.) مقرر کرلینا چاہیے۔ مثلاً

(الف) اسماے علوم کے لیے لاحقہ "یات" (یاے مشدد کے ساتھ) مثلاً نفسیات، ارضیات، ریاضیات، طبعیات، وغیرہ

(ب) انگریزی سابقہ (Auto) اور (Self) کے مقابلہ مین سابقہ "خود" مثلاً خود اعتمادی، خود تاثری، وغیرہ

(ج) انگریزی سابقہ (ist) کے مقابل جو صاحب فن کے کے لیے استعمال ہوتا ہے، سابقہ "عالم" خواہ لاحقہ "دان" مثلاً (Psychologist) کے لیے "عالم نفسیات" یا نفسیات دان۔

(Physicist) کے لیے "عالم طبعیات" یا طبعیات دان۔

مین نے گو اس رسالہ مین یہ دونون تراکیب استعمال کی ہین، مگر میرے نزدیک سابقہ "عالم" لاحقہ "دان" پر قابل ترجیح ہے۔

(د) انگریزی لاحقہ (Al) کے مقابلہ مین، جو کلمہ صفت ہو،

سابقہ "مغلوب" خواہ لاحقہ "یا سے" جیسا موقع ہو۔ مثلاً (Emotional) کے لیے "مغلوب الجذبہ" اگر انسان کا ذکر ہے۔ یا "جذبی" اگر کسی تحریر، تقریر، حالت یا کیفیت کا بیان ہے۔

یہان تک وہ عام اصول تھے جنھین مین نے وضع مصطلحات مین خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ ذیل مین اُن مصطلحات کی فہرست درج کی جاتی ہے، جو مین نے رسالۂ ہذا مین استعمال کیے ہین۔ اس فہرست مین ایسے الفاظ کی بھی ایک کافی تعداد شامل ہے، جو اگرچہ اس رسالہ مین کسی موقع پر نہین آئے، مگر نفسیات پر آیندہ قلم اُٹھانے والون کو ان کا استعمال ناگزیر ہوگا۔

فرہنگ مصطلحات

نمبر	انگریزی اصطلاح	اُردو اصطلاح	تصریح
۱	Abstraction.	تجرید	کسی شے کے تصور کے وقت اسکے تشخصات کو حذف کر کے صرف اسکی کلی یا عمومی صورت ذہن مین رکھنا۔
۲	Abstract Ideas.	۱ افکار مجردہ ۲ تصورات مجردہ	یعنی وہ افکار و تصورات جو عمل تجرید کی وساطت سے حاصل ہوتے ہین۔ مثلاً زید، عمر، بکر، وغیرہ مادی و محسوس تصورات کی مدد سے ہم "انسان" مطلق کے تصور تک پہونچے، تو یہ ایک تصور مجرد ہے۔
۳	Afferent (nerve.) Afferent (current.)	(اعصاب) درآوند (تہیج) درآور	جو اعصاب یا تہیجات، خارج سے باطن یا مراکز عصبی تک آتے ہین۔
۴	Adaptation.	تطابق	
۵	Apperception.	ادراک	کسی شے کے ہمارے تجربہ مین واقعۃً آنے سے پیشتر اسکا ایک دُھندلا تصور پیدا ہوجانا۔

۶	Appetite.	اشتہا	وہ تقاضائے فطرت جو موقت اور دوری ہو مثلاً بھوک، پیاس، نیند
۷	Anæsthesia.	فقدان حس	وہ حالت جسمین موثرات خارجی کے محسوس کرنے کی قابلیت سلب ہوجاتی ہے۔
۸	Anæsthetic.	فاقد الحس	
۹	Aposteriori.	۱ استقراءً ۲ تجربۃً	کسی نتیجہ تک مشاہدات و محسوسات کے تجربہ و استقرار کی وساطت سے پہونچنے کا اصول۔
۱۰	Apriori.	۱ قیاساً ۲ عقلاً	کسی نتیجہ تک بغیر مادی خارجی وسائط کے محض قیاس یا وجدان کی رہنمائی سے پہونچنے کا طریقہ
۱۱	Association.	ایتلاف	دو یا زاید کیفیات ذہنی کے درمیان ایسا تعلق ہوجانا، کہ ایک کا وجود دوسرے کے مستلزم ہو۔
۱۲	Atom.	سالمہ	
۱۳	Attention.	توجہ	
۱۴	Automatic action.	فعل قسری	ہمارے وہ افعال جو ہمارے ارادہ سے ہمیشہ اور ہمارے شعور کی دسترس سے عموماً باہر ہوتے ہین۔ مثلاً حرکت قلب، حرکات انہضام غذا، وغیرہ۔

نمبر	English	اصطلاح	تشریح
۱۵	Auto-stimulation.	خود تہیجی	نظام عصبی مرکزی کے سالمات کا، بلا کسی اعصاب حسیہ کی وساطت کے از خود متہیج ہو جانا۔ (جیسا بعض امراض دماغی یا کبھی کبھی حالت خواب مین ہوتا ہے۔)
۱۶	Auto-suggestion.	خود تاثری	ہماری قوت ارادی کا، بجائے دوسرون پر اثر ڈالنے کے خود اپنے نفس کو متاثر کرنا۔
۱۷	Cell.	خلیہ	
۱۸	Cellular.	خلوی	
۱۹	Central.	مرکزی	
۲۰	Cere-bellum.	مخیخ	چھوٹا دماغ۔ (دیکھو باب ۲ رسالۂ ہذا)
۲۱	Cerebrum	مخ	بڑا دماغ۔ ״ ״ ״
۲۲	Classification.	تنظیم	
۲۳	Cognition.	وقوف	نفس کی وہ حالت جسمین انسان کو محض اطلاع ہوتی ہے، اور انبساط وانقباض یا ارادہ کی کوئی کیفیت اس پر طاری نہین ہوتی (دیکھو باب ۔ رسالۂ ہذا۔
۲۴	Cognitive.	وقوفی۔	نمبر (۲۳) کی صفت۔
۲۵	Concept.	تصور۔	

۲۶	Conceptual.	تصوری -	نمبر (۲۵) کی صفت -
۲۷	Consciousness.	شعور -	نفس کی وسیع ترین کیفیت جسکے ماتحت تمام کیفیات نفسی ہین - (دیکھو باب ۱ - رسالۂ ہذا) -
۲۸	Conscious.	۱- شعوری ۲- شاعرہ	
۲۹	Concomitant.	متلازم	
۳۰	Current.	رو	ہر عصبی تحریک یا تہیج جو خارج سے باطن یا باطن سے خارج کی طرف آئے -
۳۱	Deliberation.	تصمیم	
۳۲	Delusion.	توہم	
۳۳	Derived.	تبعی	اساسی کا مقابل
۳۴	Discrimination.	امتیاز	
۳۵	Disorder.	اختلال	
۳۶	Dissociation.	افتراق	(نمبر ۱۱) کی ضد
۳۷	Ego.	۱- انا ۲- ایغو	
۳۸	Egoistic feeling	انانیت	
۳۹	Efferent (nerves). Efferent (current).	۱- (اعصاب) برآور ۲- (تہیج) برآور	
۴۰	Elementary.	بسیط	

	جذبہ	Emotion.	۴۱
	جذبی (تقریر تحریر وغیرہ) مغلوب الجذبہ (انسان)	Emotional.	۴۲
فلاسفہ کا وہ مذہب جو انسان کے ذرایع علم کو اسکے حواس ظاہری تک محدود رکھتا ہے -	تجربیت	Empiricism.	۴۳
	ماحول	Environment.	۴۴
وہ علم جس مین خود علم کی ماہیت اور اسکے حدود وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے -	علمیات	Epistemology.	۴۵
	ارتقاء	Evolution.	۴۶
	ارتقائی	Evolutionary.	۴۷
	عالم ارتقاء	Evolutionist.	۴۸
موجودات عالم مین سے کسی شے مین، آزمائش و تجربہ کی غرض سے تغیرات کرکے اسکے اثرات کا مشاہدہ کرنا -	اختبار	Experiment.	۴۹
	۱- مظہر ۲- اثر	Expression.	۵۰
	احساس	Feeling.	۵۱
	ریشہ	Fibre.	۵۲

نمبر	English	اصطلاح	تشریح
۵۳	Hallucination.	طیف	خیالی صورت کا انسان کو بغیر کسی شی کے موجود فی الخارج کے محسوس ہونا۔
۵۴	Ideas.	۱- افکار ۲- مشاعر	
۵۵	Ideation.	تفکر	
۵۶	Ideational.	فکری	
۵۷	Illusion	التباس حواس	کسی شی کا جس طرح وہ موجود ہو اسکے خلاف محسوس ہونا مثلاً ایک معمولی درخت کو تاریکی مین بھوت خیال کرنا۔
۵۸	Imagination.	۱- تخیل ۲- متخیلہ	بخلاف تصور و تفکر کے "تخیل" مین ایک ذہنی صورت کا وجود لازمی ہے۔ مثلاً دس ہزار کا عدد کہ اسے ہم تصور و تفکر مین تو لا سکتے ہین مگر اسکی کوئی ذہنی تصویر نہین قائم کر سکتے۔
۵۹	Impulse.	۱- ہیجان ۲- تہیج	
۶۰	Instinct.	جبلت	
۶۱	Instinctive.	جبلی	
۶۲	Instinctively.	جبلتہً	
۶۳	Intensity.	۱- تیزی ۲- قوت	

۶۴	Introspection.	مطالعۂ باطن	خود اپنی اندرونی حالت کی طرف رجوع کرکے اپنے نفس کی کیفیات کا مطالعہ کرتے رہنا۔
۶۵	Intuition.	(۱) بداہت (۲) وجدان	
۶۶	Laws of association.	قوانین ائتلاف	
۶۷	Law of contiguity.	قانون مقارنت	اسکی تشریح باب ۶ مین گزر چکی۔
۶۸	Law of contrast	قانون تقابل	"
۶۹	Law of direct action of Nerves System.	قانون فعلیت نظام عصبی	اسکی تشریح باب ۵ مین ملیگی۔
	Law of Repetition.	(۱) قانون مراجعت (۲) قانون تعود	
۷۱	Law of similarity.	قانون مماثلت	اسکی تشریح باب ۶ مین گذر چکی ہے
۷۲	Memory.	حافظہ	
۷۳	Mental.	(۱) ذہنی (۲) نفسی	
۷۴	Mentality.	ذہنیت	
۷۵	Mind.	(۱) نفس (۲) ذہن	
۷۶	Molecule.	ذرّہ	
۷۷	Muscle.	عضلہ	
۷۸	Muscular feeling.	حاسۂ عضلی	

۷۹	Nerves.	اعصاب	
۸۰	Nerve centres.	مراکز عصبی	
۸۱	Nervous system.	نظام عصبی	
۸۲	Object.	۱ مُدرَک ۲ سوی الذات	
۸۳	Objective.	۱ خارجی ۲ سوی الذاتی	
۸۴	Observation.	مشاہدہ	
۸۵	Optic Nerve.	عصب البصری	
۸۶	Pain.	۱ الم ۲ انقباض ۳ کرب	
۸۷	Painful.	انقباضی	
۸۸	Passion.	بہیمیت	
۸۹	Perception.	ادراک	
۹۰	Peripheral.	محیطی	
۹۱	Peripheral Nerves System.	نظام عصبی محیطی	
۹۲	Personality.	شخصیت	
۹۳	Phenomenon.	مظہر	
۹۴	Pleasure.	۱ حظ ۲ انبساط ۳ لذت	

نمبر	English	اردو	کیفیت
۹۵	Pleasurable.	انبساطی	
۹۶	Physical.	۱ مادی ۲- جسمی ۳- جسمانی	
۹۷	Physiology	عضویات	
۹۸	Physiological.	عضویاتی	
۹۹	Physiologist.	عالم عضویات	
۱۰۰	Plasticity.	۱- لچک ۲- قابلیت فطر	
۱۰۱	Presentation (knowledge.)	علم حضوری	
۱۰۲	Prestige.	۱ سطوت ۲ نفوذ	کسی شخص میں ایسی دھاک یا رعب کا ہونا کہ دوسرے اُس سے خواہ مخواہ مرعوب یا متاثر ہوں۔
۱۰۳	Psychology.	۱- نفسیات ۲- علم النفس	
۱۰۴	Psychological.	نفسیاتی	
۱۰۵	Psychical.	نفسی	
۱۰۶	Psychologist.	عالم نفسیات	
۱۰۷	Psycho-physics.	طبعیات نفسی	
۱۰۸	Psycho-physical.	طبیعی + نفسی	

نمبر	English	اردو	تشریح
۱۰۹	Re-action.	۱۔ عمل رجعی ۲۔ ردعمل	
۱۱۰	Reasoning.	۱۔ تعقل ۲۔ استنباط کلیات	
۱۱۱	Recollection.	تذکر	
۱۱۲	Reflex action.	فعل اضطراری	وہ فعل جو غیر ارادی ہو، مگر ہمارے ارادہ و شعور سے خارج نہ ہو، مثلاً تیز روشنی سے پلک جھپک جانا، دفعتہ جھجک اٹھنا، وغیرہ
۱۱۳	Representative.	علم حصولی	
۱۱۴	Sense.	حاسہ	
۱۱۵	Sensation.	حس	
۱۱۶	Sensibility.	۱۔ حسیت ۲۔ قابلیت احساس	
۱۱۷	Sentiment.	وجدان	
۱۱۸	Sentimental.	وجدانی	
۱۱۹	Sentimentalist.	۱۔ وجدانی ۲۔ مغلوب العواطف	
۱۲۰	Sexual-Emotion.	شہوت	
۱۲۱	Suggestion.	اثر آفرینی	
۱۲۲	Suggestibility.	اثر پذیری	
۱۲۳	Subject.	۱۔ مدرک ۲۔ ذات	

۱۲۴	Subjective.	۱. ذاتی ۲ داخلی
۱۲۵	Sub-conscious.	۱ تحت الشعوری ۲ نیم شعوری
۱۲۶	Sub-consciousness.	۱ تحت الشعور ۲ نیم شعوریت ۳ شعور خفی
۱۲۷	Stimulus.	مہیج
۱۲۸	Spinal cord.	نخاع
۱۲۹	Truths (Empirical.)	حقایق تجربی
۱۳۰	Truths (Rational.)	حقایق عقلی
۱۳۱	Unconscious.	۱ فاقد الشعور ۲ غیر شاعرہ ۳ لاشعوری
۱۳۲	Unconsciousness.	۱ فقدان شعور ۲ لاشعوریت
۱۳۳	Volition.	ارادہ
۱۳۴	Voluntary action.	فعل ارادی
۱۳۵	Will.	ارادہ

قیمت کتاب ہذا

قسم اوّل .... عہ

قسم دُوم .... عہ

ملنے کا پتہ

دارالاشاعت انجمن ترقی اُردو

فلاورملز۔ لکھنؤ۔